International Bai'at 2007

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ؕ (2:258)

النــــور

اکتوبر 2007

جماعت احمدیه امریکه کا علمی، تعلیمی، تربیّتی اور ادبی مجلّه

فہرس

لکھنے کا پتہ:
Editors Ahmadiyya Gazette
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
karimzirvi@yahoo.com

اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ ؕ قَالَ اِنِّيْٓ اُشْهِدُ اللّٰهَ وَاشْهَدُوْٓا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝

(هود: 55)

ہم تو اس کے سوا کچھ نہیں کہتے کہ تجھ پر ہمارے معبودوں میں سے کسی نے کوئی بد سایہ ڈال دیا ہے۔ اس نے کہا یقیناً میں اللہ کو گواہ ٹھہراتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ میں ان سے بیزار ہوں جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو۔

{700 احکام خُداوندی صفحہ 47-48}

قرآن کریم

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ O

(البقرة: 84)

اور اس وقت کو بھی یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے پختہ عہد لیا تھا کہ تم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو گے۔ اور والدین سے احسان (کا معاملہ) کرو گے اور اسی طرح قرابت دار اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی اور (یہ عہد بھی لیا تھا) کہ لوگوں کے ساتھ ملاطفت کے ساتھ کلام کیا کرو اور نماز قائم رکھا کرو اور زکوٰۃ ادا کیا کرو مگر (اس کے بعد) تم میں سے چند ایک کے سوا باقی سب (کے سب) اعراض کرتے ہوئے پھر گئے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

”بنو اسحاق میں نبوت کا اجراء ان کی کسی ذاتی فضیلت کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ابراہیمی وعدوں کی وجہ سے تھا جب انہوں نے ابراہیمی عہد کو پس پشت پھینک دیا تو محض بنو اسحاق کا ایک فرد ہونا انہیں نبوت کے انعام کا مستحق نہیں بنا سکتا تھا۔۔۔ اس آیت میں جس میثاق کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس سے کوئی خاص عہد مراد نہیں بلکہ مختلف عہد مراد ہیں جو بنی اسرائیل سے متفرق اوقات میں لئے جاتے رہے اور جن پر عمل کرنے کی بائیبل میں ان کو سخت تاکید کی گئی۔ اسی لئے یہ احکام بائیبل میں کسی ایک جگہ بیان نہیں ہوئے بلکہ متفرق مقامات میں ان کا ذکر آتا ہے۔ قرآن کریم نے ان احکام کا اکٹھا ذکر اس لئے کیا ہے تا کہ ان کو یاد دلایا جائے کہ وہ اپنے مذہب سے کس قدر دُور جا چکے ہیں مزید برآں قرآن کریم نے ان احکام کو ایک اعلیٰ درجہ کی ترتیب کے ساتھ بیان کیا ہے جو اس کے حسن کو نمایاں کرنے والی ہے۔
مگر باوجود ان احکام کے یہود ان کی پرواہ نہیں کرتے تھے اور ان کے سلوک اپنوں اور بیگانوں سے خراب ہو رہے تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے بعض حضرت عزیرؑ کو اللہ کا بیٹا قرار دینے لگ گئے تھے۔ جیسا کہ یہود کا صدوقی فرقہ جو یمن کی طرف رہتا تھا اس شرک میں ملوّث ہو چکا تھا۔ اور بعض اپنے علماء کے ہر ایک حکم کو وحی الٰہی کے طور پر مانتے تھے اور اپنی کتاب کے احکام کو پس پُشت پھینک دیتے۔ یتامیٰ اور مساکین

کے ساتھ ان کا سلوک نہایت بُرا تھا اور بنی نوع انسان کی ہمدردی ان کے اندر نام کو بھی نہ تھی۔ عبادتوں میں سست اور زکوٰۃ دینے سے جی چُراتے تھے۔ جیسے آجکل کے مسلمان ایک طرف تو اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور دوسری طرف وہ تمام باتیں جو یہود کے متعلق خدا تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں ان میں بھی پائی جاتی ہیں یہود سے تو صرف یہ عہد لیا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا لیکن مسلمانوں پر خدا تعالیٰ نے اتنا فضل کیا کہ اسلام کی بنیاد ہی اس نے لَآ اِلٰـــہَ اِلَّااللہ پر رکھی۔۔۔ آج مسلمانوں میں اس قدر شرک پایا جاتا ہے کہ اور قوموں میں اس کی نسبت بہت کم ہے۔ مسلمان قبروں پر بغیر کسی قسم کے حجاب کے اس طرح سجدہ کرتے ہیں کہ خدا کے آگے سجدہ کرنے والوں میں اور ان میں ذرہ بھی فرق نہیں رہ جاتا۔۔۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود سے ہم نے یہ بھی عہد لیا تھا کہ والدین کے ساتھ احسان کرنا۔ یہ بات بھی اس زمانہ میں مسلمانوں سے بالکل مٹ گئی ہے۔ یہ تو ضروری سمجھا جاتا ہے کہ والدین اپنی اولاد سے نیک سلوک کریں۔ اُن کی پرورش کریں اُن پر اپنا مال صرف کریں لیکن یہ ضروری نہیں سمجھا جاتا کہ اولاد بھی والدین پر احسان کرے اور اُن کی خدمت بجالائے۔ اسی طرح یہود سے یہ عہد لیا گیا تھا کہ قریبیوں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا۔ پھر تمام دنیا میں جس قدر لوگ ہیں ان کو نیک باتیں کہنا۔ یہ کیسی اچھی اور عمدہ تعلیم تھی کوئی بوجھ نہ تھا۔ کوئی عقل کے خلاف بات نہ تھی لیکن جس طرح یہود نے ان احکام پر عمل ترک کر دیا تھا اسی طرح مسلمانوں نے بھی ان احکام پر عمل ترک کر دیا۔ پھر حکم یہ تھا کہ نمازیں پڑھو۔ لیکن دیکھ لو آج کتنے مسلمان ہیں جو نمازیں پڑھتے ہیں۔ پھر حکم تھا کہ زکوٰۃ دو۔ مگر بہت تھوڑے ہیں جو اس کے پابند ہیں۔ اللہ تعالیٰ یہود کی نسبت فرماتا ہے کہ وہ ان احکام کو سن کر پھر گئے اور ان پر عمل نہ کیا اسی طرح اب مسلمانوں نے کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اِن اَحکام سے اکثر پھر گئے۔ اسی طرح مسلمان ذوی القربیٰ کو شریکہ یعنی دشمنی کا باعث سمجھتے ہیں۔۔۔ یتیموں کے ساتھ ملاطفت اور نرمی کا حکم دیا تھا لیکن ان کے اموال بڑی دلیری سے کھائے جاتے ہیں۔ مسکینوں کی خبر گیری ان کا فرض تھا لیکن انہیں حقارت اور نفرت سے دیکھا جاتا ہے۔ تمام بنی نوع انسان کو نیک باتوں کی تلقین کرنا ان کا فرض تھا لیکن اس فرض کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں کی جاتی۔ وہ ہم پر اعتراض کرتے ہیں کہ تم ہمیں کافر کہتے ہو مگر خود یہ کبھی سوچنے کی تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ ان کا اپنا عمل اسلام پر کہاں تک ہے۔۔۔ جس طرح مسلمان جانتے ہیں کہ چوری ناجائز ہے۔ جھوٹ اور افتراء ناجائز ہے دوسروں کے حقوق غصب کرنا ناجائز ہے مگر پھر بھی وہ ان افعال کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اسی طرح رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ میں یہود بالکل مطلب پرست اور مشرک ہو گئے تھے اور باوجود اس کے وہ مسلمانوں سے جو ان احکام پر بلکہ ان سے بڑے بڑے احکام پر عمل پیرا تھے لڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صداقت کے متعلق تو یہ عذر پیش کر سکتے ہو کہ ہم ان پر ایمان نہیں رکھتے مگر تورات کے ان احکام کے متعلق کیا عذر کر سکتے ہو۔ تمہارا ان احکام کو تسلیم کرنا اور پھر ان سے کلّی طور پر اعراض اختیار کر لینا بتاتا ہے کہ اب تم میں صداقت نہیں رہی۔ مگر جیسا کہ قرآن کریم کا طریق ہے اُس نے اس آیت میں بھی یہود کی بدیوں کا ذکر کرتے ہوئے اُن کی تمام قوم کو یکساں مجرم قرار نہیں دیا بلکہ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْکُمْ فرما کر اُن میں سے جو نیک لوگ تھے اُن کو مستثنیٰ کر لیا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد دوم صفحات 1-6)

حدیثِ مبارکہ

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ ﷺ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ شَرُّ الْطَعَامِ الْوَلِیْمَةَ یُدْعٰی لَهَا الْاَغْنِیَآءُ وَیُتْرَکُ الْفُقَرَآءُ وَمَنْ تَرَکَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَی اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ۔

(صحیح بخاری، بحوالہ چالیس جواہر پارے حدیث نمبر 35)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بدترین دعوت وہ ہے جس میں امیر لوگ تو بلائے جائیں مگر غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے اور دوسری طرف جو شخص کسی کی دعوت کو رد کرتا ہے وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے۔

تشریح: اسلام نے دولت کے سمونے اور غریب و امیر کے فرق کو کم سے کم حد کے اندر محدود کرنے کی جو کوشش کی ہے وہ ظاہر اور عیاں ہے۔ اس تعلق میں سب سے زیادہ باعث تکلیف اور باعث اعتراض تمدنی میل ملاپ کا فرق ہوتا ہے جو گویا امیروں اور غریبوں کو دو علیحدہ علیحدہ کیمپوں کی صورت دے کر ان کے اندر ایک دائمی رقابت اور کش مکش کا رنگ پیدا کر دیتا ہے۔ اسلام نے اس کش مکش کو دور کرنے اور جذباتی فرق کو سمونے کے لئے انتہائی کوشش کی ہے چنانچہ سب سے پہلے تو اسلام نے سارے مسلمانوں کو بھائی بھائی قرار دے کر ایک لیول پر کھڑا کر دیا ہے اور پھر حقوق کے معاملہ میں سب کے واسطے ترقی کا ایک جیسا رستہ کھول کر ملکی اور قومی عہدوں کو کسی فریق کی اجارہ داری نہیں بننے دیا' بلکہ حکم دیا ہے کہ قومی اور ملکی عہدہ داروں کا انتخاب بلا لحاظ غریب و امیر' بلا لحاظ قوم و قبیلہ محض اہلیت کی بناء پر ہونا چاہیئے۔

اس کے علاوہ غریبوں اور امیروں میں تمدنی تعلقات کو ترقی دینے اور انہیں گویا ایک خاندان کی صورت میں اکٹھا رکھنے کیلئے آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب کوئی امیر شخص دعوت کرے تو اس میں لازماً غریبوں کو بھی بلائے اور جب کوئی غریب شخص دعوت کرے تو امیر لوگ ایسی دعوت میں شرکت سے ہرگز انکار نہ کریں چنانچہ موجودہ حدیث اسی ارشاد پر مشتمل ہے۔ اس حدیث میں آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں اور کن زور دار الفاظ میں فرماتے ہیں کہ'' بدترین دعوت وہ ہے جس میں امیر لوگوں کو تو بلایا جائے مگر غریبوں کو نظر انداز کر دیا جائے۔'' اور پھر دوسری طرف امیروں کو متنبہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی غریب شخص تمہاری دعوت کرے تو تمہارے لئے ہرگز جائز نہیں کہ اس کی غربت کا خیال کر کے اس کی دعوت کو رد کر دو اور جو شخص ایسا کرے گا'' وہ خدا اور اس کے رسول کا نافرمان ہے''۔ اور ایک دوسری حدیث میں فرماتے ہیں:۔

''لَوْ دُعِیْتُ اِلٰی کُرَاعٍ لَّاَجَبْتُ''

''یعنی اگر کوئی غریب شخص بکری کا ایک کھر یا پایہ پکا کر بھی مجھے اپنے گھر پر بلائے تو میں اس کی دعوت کو ضرور قبول کروں گا۔''

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابو بکرؓ سے نادانستہ طور پر بلالؓ اور بعض دوسرے غریب مسلمانوں کی کچھ دل شکنی ہو گئی۔ جب آنحضرت ﷺ کو اس کا علم ہوا تو آپ نے حضرت ابو بکرؓ سے فرمایا:

''ابو بکرؓ جن غریبوں کا دل دکھا ہے ان کی دلداری کرو کیونکہ ان کی دلداری میں خدا کی خوشنودی ہے۔''

حضرت ابو بکرؓ فوراً ان لوگوں کے پاس گئے اور عاجزی سے عرض کیا:

''بھائیو! مجھے خدا کیلئے معاف کرنا۔ میری نیت دل شکنی کی نہیں تھی۔''

کیا اس تعلیم کے ہوتے ہوئے ایک سچی اسلامی سوسائٹی میں کوئی ناگوار طبقے پیدا ہو سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں' ہرگز نہیں۔ بلکہ قصور ہمارا ہے' جنہوں نے اسلام کی تعلیم کو بھلا کر سوسائٹی میں رقیبانہ کیمپ قائم کر رکھے ہیں۔

ارشاداتِ عالیہ حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا:

''آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے درجہ عالیہ کی شناخت کیلئے اس قدر لکھنا ضروری ہے کہ مراتب قرب ومحبت باعتبار اپنے روحانی درجات کے تین قسم پر منقسم ہیں:

سب سے ادنیٰ درجہ جو درحقیقت وہ بھی بڑا ہے یہ ہے کہ آتش محبتِ الٰہی لوحِ قلبِ انسان کو گرم تو کرے اور ممکن ہے کہ ایسا گرم کرے کہ بعض آگ کے کام اس محرور سے ہو سکیں لیکن یہ کسر باقی رہ جائے کہ اس متاثر میں آگ کی چمک پیدا نہ ہو اس درجہ کی محبت پر جب خداتعالےٰ کی محبت کا شعلہ واقع ہو تو اس شعلہ سے جس قدر روح میں گرمی پیدا ہوتی ہے اس کو سکینت واطمینان اور کبھی فرشتہ وملک کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔

دوسرا درجہ محبت کا وہ ہے۔۔۔ جس میں دونوں محبتوں کے ملنے سے آتشِ محبتِ لوحِ قلب انسان کو اس قدر گرم کرتی ہے کہ اس میں آگ کی صورت پر ایک چمک پیدا ہو جاتی ہے لیکن اس چمک میں کسی قسم کا اشتعال یا بھڑک نہیں ہوتی۔ فقط ایک چمک ہوتی ہے جس کو روح القدس کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔

تیسرا درجہ محبت کا وہ ہے جس میں ایک نہایت افروختہ شعلہ محبت الٰہی کا انسانی محبت کے مستعد فتیلہ پر پڑ کر اس کو افروختہ کر دیتا ہے اور اس کے تمام اجزاء اور تمام رگ وریشہ پر استیلا پکڑ کر اپنے وجود کا اتم اور اکمل مظہر اس کو بنا دیتا ہے اور اس حالت میں آتشِ محبتِ لوحِ قلب انسان کو نہ صرف ایک چمک بخشتی بلکہ معاً اس چمک کے ساتھ تمام وجود بھڑک اٹھتا ہے اور اس کی لوئیں اور شعلے اردگرد کو روزِ روشن کی طرح روشن کر دیتے ہیں اور کسی قسم کی تاریکی باقی نہیں رہتی اور پورے طور پر اور تمام صفاتِ کاملہ کے ساتھ وہ سارا وجود آگ ہی آگ ہو جاتا ہے اور یہ کیفیت جو ایک آتش افروختہ کی صورت پر دونوں محبتوں کے جوڑ سے پیدا ہو جاتی ہے اس کو رُوح الامین کے نام سے بولتے ہیں۔ کیونکہ یہ ہر تاریکی سے امن بخشتی ہے اور ہر یک غبار سے خالی ہے اور اس کا نام شدید القویٰ بھی ہے کیونکہ یہ اعلیٰ درجہ کی طاقت وحی ہے جس سے قوی تر وحی متصوّر نہیں۔ اور اس کا نام ذوالافق الاعلیٰ بھی ہے۔ کیونکہ یہ وحی الٰہی کے انتہائی درجہ کی تجلّی ہے اور اس کو رائ ما رائ کے نام سے بھی پکارا جاتا ہے۔ کیونکہ اس کیفیت کا اندازہ تمام مخلوقات کے قیاس اور گمان اور وہم سے باہر ہے۔ اور یہ کیفیت صرف دنیا میں ایک ہی انسان کو ملی ہے جو انسانِ کاملؑ ہے جس پر تمام سلسلہ انسانیہ کا ختم ہو گیا ہے اور دائرہ استعدادات بشریہ کمال کو پہنچا ہے۔ اور وہ درحقیقت پیدائش الٰہی کے خط ممتد کی اعلیٰ طرف کا آخری نقطہ ہے جو ارتفاع کے تمام مراتب کا انتہاء ہے۔ حکمتِ الٰہی کے ہاتھ نے ادنیٰ سے ادنیٰ خلقت سے اور اسفل سے اسفل مخلوق سے سلسلہ پیدائش کا شروع کر کے اس اعلیٰ درجہ کے نقطہ تک پہنچا دیا ہے جس کا نام دوسرے لفظوں میں ہے محمد صلے اللہ علیہ وسلم۔''

(روحانی خزائن جلد 3 توضیح مرام صفحہ 63-64)

کلام امام الزمان

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام

صد حیف اس زمانہ میں قصوں پہ ہے مدار
قصوں پہ سارا دیں کی سچائی کا اِنحصار

پر نقد معجزات کا کچھ بھی نشاں نہیں
پس یہ خدائے قصہ خدائے جہاں نہیں

دُنیا کو ایسے قصّوں نے یکسر تبہ کیا!
مُشرک بنا کے کفر دیا رُوسِیَہ کیا

جس کو تلاش ہے کہ ملے اس کو کردگار
اس کے لئے حرام جو قِصّوں پہ ہو نثار

اُس کا تو فرض ہے کہ وُہ ڈھونڈے خُدا کا نور
تا ہووے شک و شُبہ سبھی اس کے دل سے دُور

تا اُس کے دل پہ نورِ یقیں کا نزُول ہو
تا وُہ جنابِ عزّ و جل میں قبول ہو

قِصّوں سے پاک ہونا کبھی کیا مجال ہے
سچ جانو یہ طریق سراسر محال ہے

قِصّوں سے کب نجات ملے ہے گناہ سے
ممکن نہیں وصالِ خُدا ایسی راہ سے

مُردہ سے کب اُمید کہ وہ زندہ کر سکے
اُس سے تو خود محال کہ وہ بھی گُزر سکے

وہ رَہ جو ذاتِ عزّ و جل کو دکھاتی ہے
وہ رَہ جو دل کو پاک و مُطہّر بناتی ہے

وُہ رَہ جو یارِ گُمشدہ کو ڈھونڈ لاتی ہے
وُہ رَہ جو جامِ پاک یقیں کا پلاتی ہے

وُہ تازہ قدرتیں جو خدا پر دلیل ہیں
وُہ زندہ طاقتیں جو یقیں کی سبیل ہیں

ظاہر ہے یہ کہ قِصّوں میں ان کا اثر نہیں
افسانہ گو کو راہِ خُدا کی خبر نہیں

اُس بے نشاں کی چہرہ نمائی نشاں سے ہے
سچ ہے کہ سب ثبوتِ خُدائی نشاں سے ہے

خطبہ جمعہ

اسلام کی جنگیں برائے جنگ نہ تھیں بلکہ آزادیٔ ضمیر و مذہب کے قیام کے لئے تھیں اور دنیا کو امن و سلامتی دینے کے لئے تھیں

جو بھی مسلمان کہلانے والے ہیں ان کو اسلام کو بدنام کرنے کی بجائے اس بات سے فیض پانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنی حالتوں کو بدلتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے حکموں کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کریں

(قرآن مجید اور احادیث نبویہ کی روشنی میں مسلمانوں کو جنگ کی اجازت دینے کی وجوہات اور اس سے متعلقہ احکام اور قواعد و ضوابط کا بیان)

خطبہ جمعہ سیدنا امیر المومنین حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

فرمودہ مورخہ 29/ جون 2007

أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ

وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ

أَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○

اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ ○ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ○

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ○ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ○

صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ○

گزشتہ خطبہ میں مَیں نے اصلاح اور انصاف قائم کرنے کی، امن، صلح اور سلامتی کی تعلیم کا ذکر کیا تھا اور اس بارے میں قرآنی احکامات بیان کئے تھے کہ انصاف کے تقاضے پورے کرنے سے ہی دنیا میں صلح اور سلامتی کی بنیاد رکھی جا سکتی ہے اور اس کی بنیاد تقویٰ پر منحصر ہے اور قرآن کریم میں تقویٰ پر قائم رہنے کا ایک مسلمان کو اس قدر تاکیدی حکم ہے اور بار بار حکم ہے کہ ایک مومن سے توقع ہی نہیں کی جا سکتی کہ وہ دنیا کی بدامنی میں کوئی کردار ادا کر سکتا ہے۔

اس بارہ میں قرآن کی تعلیم کا اس حوالے سے مَیں نے ذکر کیا تھا کہ کسی مسلمان کو نہ انفرادی طور پر، نہ حکومتی طور پر یہ زیبا ہے کہ کسی قوم سے دشمنی کی وجہ سے انصاف کے تقاضے پورے نہ کرے۔ اسلام ہر قوم سے صلح و آشتی کے تعلقات استوار کرنے کی، قائم کرنے کی تعلیم دیتا ہے، سوائے ان کے جو براہِ راست جنگوں کو مسلمانوں پر ٹھونسنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اس ضمن میں آج مزید اسلامی قرآنی تعلیم کا ذکر کروں گا کہ کیوں اور کس حد تک جنگ کی اجازت ہے۔ اور اگر بعض صورتوں میں جنگ نہ کی جائے جس کی اسلام نے ابتدائی زمانہ میں اجازت دی تھی تو کیا کیا نقصانات ہو سکتے ہیں اور کیا بھیانک نتائج اس کے نکلتے ہیں یا اُس وقت نکلنے کا امکان تھا۔ اس سے ثابت ہوگا کہ قتال کی اجازت دنیا کے امن و سلامتی کے لئے تھی نہ کہ دنیا میں فتنہ و فساد پیدا کرنے کے لئے جیسا کہ آج کل اسلام مخالف پروپیگنڈا کرنے والے شور مچا رہے ہیں۔ اگر ان مخالفین کا، یا ان کے ہمنواؤں کا، یا ان کی حمایت میں کھڑے لوگوں کے اپنے مذہب اور ان کی حکومتوں کے

عمل اور دنیا کے امن وامان کی اور سکون کی بربادی کی جو کوششیں یہ کر رہے ہیں ان کا ذکر شروع ہو تو ان کے لئے کوئی راہ فرار نہیں رہتی۔ لیکن ہمارا مقصد دلوں کے کینوں اور بغضوں اور حسدوں کو مزید ہوا دینا نہیں ہے اس لئے قرآنی تعلیم کے بارے میں یہاں ذکر کروں گا جس سے کہ مزید یہ کھلے گا کہ جنگوں یا قتال کی جو اجازت ملی تھی وہ کن بنیادوں پر تھی۔ اسی سے اسلام کی خوبصورت تعلیم مزید واضح ہوتی ہے۔ یہ ایسی تعلیم ہے کہ کسی بھی دوسرے مذہب کی تعلیم کے مقابلے میں بڑی شان اور خوبصورتی سے اپنا مقام ظاہر کرتی ہے، اس کے پاس کوئی دوسری تعلیم پھٹک بھی نہیں سکتی۔ پس اس بارے میں کسی بھی احمدی کو، کسی بھی معترض اسلام کا جواب دینے میں معذرت خواہانہ رویہ اپنانے یا اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ قرآن کریم کا ہر حکم حکمت سے پُر ہے جس کا مقصد حقوق اللہ اور حقوق العباد کا قیام ہے۔

آنحضرت ﷺ کے زمانے میں اور خلفائے راشدین کے زمانے میں جو جنگیں لڑی گئیں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی وجوہات بیان فرمائی ہیں۔ آپؑ فرماتے ہیں کہ اس کی تین وجوہات ہیں۔

نمبر ایک یہ کہ دفاعی طور پر یعنی بطریق حفاظتِ خود اختیاری، اپنی حفاظت اور دفاع کے لئے۔

دوسرے بطور سزا یعنی خون کے عوض میں خون جب مسلمانوں پر حملے کئے گئے تو دشمن کو سزا دینے کے لئے، ان سے جنگ کی گئی۔ اسلامی حکومت تھی، سزا کا اختیار تھا۔

نمبر تین بطور آزادی قائم کرنے کے یعنی بغرض مزاحموں کی قوت توڑنے کے جو مسلمان ہونے پر قتل کرتے تھے۔ ان لوگوں کی طاقت توڑنے کے لئے جو اس وقت اسلام لانے والوں پر ظلم توڑتے تھے اور ان کو محض اس لئے قتل کیا جاتا تھا، اس لئے تکلیفیں دی جاتی تھیں کہ تم مسلمان ہو گئے ہو۔

اب ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ کی جو بھی صورت تھی ان صورتوں میں قرآنی تعلیم کیا ہے۔ اس تعلیم کو دیکھ کر ایک عام عقل کا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اُن حالات میں جن میں مسلمانوں کو قتال یا جنگ کی اجازت دی گئی تھی، اگر اجازت نہ دی جاتی تو دنیا کا امن تباہ و برباد ہو جاتا اور سلامتی ختم ہو جاتی۔ یہ اتنی خوبصورت تعلیم ہے کہ جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی کہا، دوسرے مذہب کی کوئی بھی تعلیم، نہ عیسائیت کی، نہ یہودیت کی نہ کسی اور مذہب کی اس کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ:

اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ ۙ

(الحج : 40)

ان لوگوں کو جن کے خلاف قتال کیا جا رہا ہے، قتال کی اجازت دی جاتی ہے کیونکہ ان پر ظلم کئے گئے اور یقیناً اللہ ان کی مدد پر پوری قدرت رکھتا ہے۔

پھر فرمایا:

اِلَّذِیْنَ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ اِلَّاۤ اَنْ یَّقُوْلُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ؕ وَلَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِیَعٌ وَّصَلَوٰتٌ وَّمَسٰجِدُ یُذْكَرُ فِیْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِیْرًا ؕ وَلَیَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَقَوِیٌّ عَزِیْزٌ ○

(الحج : 41)

کہ وہ لوگ جنہیں ان کے گھروں سے ناحق نکالا گیا، محض اس بنا پر کہ وہ کہتے تھے کہ اللہ ہمارا ربّ ہے اور اگر اللہ کی طرف سے لوگوں کا دفاع، ان میں سے بعض کو بعض دوسروں سے بھڑا کر نہ کیا جاتا تو راہب خانے منہدم کر دیئے جاتے اور گرجے بھی اور یہود کے معابد بھی اور مساجد بھی جن میں بکثرت اللہ کا نام لیا جاتا ہے اور یقیناً اللہ اس کی مدد کرے گا جو اس کی مدد کرتا ہے۔ یقیناً اللہ بہت طاقتور اور کامل غلبے والا ہے۔

یعنی اس لئے اجازت دی جاتی ہے کہ نمبر 1 یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا کیونکہ ان پر جو ظلم ہوئے تھے بلاوجہ جو قتل کیا جا رہا تھا، اس لئے ان کو اجازت دی جاتی ہے کہ اب تمہاری حکومت قائم ہو گئی ہے تو جب تمہارے پر حملہ ہو یا تمہیں کوئی قتل کرنے کے لئے آئے تو لڑو اور بدلہ لو۔ یا حکومت قائم ہے تو سزا کے طور پر قاتل کو سزا دو۔

پھر فرمایا دوسری بات کہ اُخْرِجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ بِغَیْرِ حَقٍّ یعنی ان کے گھروں سے ان کو بلاوجہ نکالا گیا۔ ان کا قصور کیا ہے؟ قصور یہ کہ وہ کہتے ہیں

رَبُّنَا اللّٰہُ کہ اللہ ہمارا رب ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر یہ اجازت نہ دی جاتی جو کہ مسلمانوں کو ایک لمبا عرصہ صبر کرنے اور ظلم سہنے اور ظلم میں پسنے کے بعد دی گئی تو دنیا میں ہر طرف ظلم وفساد نظر آتا۔

پس یہ اصولی حکم آ گیا کہ جب کوئی قوم دیر تک مسلسل دوسری قوم کے ظلموں کا تختۂ مشق بنی رہے تو یہ اجازت دی جاتی ہے کہ جب اس کی حکومت قائم ہو تو اگر اس کے اختیارات ہیں تو وہ جنگ کرے۔ لیکن اس کا مقصد ظلم کا خاتمہ ہے نہ کہ ظلموں کے بدلے لینے کے لئے حد سے بڑھ جانے کا حکم۔ اس چیز کو بھی محدود کیا گیا ہے اس پُر حکمت ارشاد نے دوسرے مذاہب کے تحفظ کا بھی انتظام کروا دیا کہ اگر یہ اجازت نہ دی جاتی تو ہر مذہب کی عبادت گاہ ظالموں کے ہاتھوں تباہ و برباد کر دی جاتی جس سے نفرتیں اور بڑھتی ہیں اور سلامتی دنیا سے اٹھ جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں فرمایا کہ ہمیشہ سے ظالم کو ظلم سے روکنے کی اجازت ہے۔ پس اگر یہ اسلام کی حکومت پر الزام لگانے والے ہیں تو یہ انتہائی غلط الزام ہے۔ جب ظلم حد سے بڑھتا ہے تو اس کو روکنے کے لئے طاقت کا استعمال کیا جاتا ہے۔ اسلام مذہب کے معاملے میں کسی پر سختی نہیں کرتا، کہتا ہے اس معاملے میں کسی پر سختی نہیں۔ اپنے مذہب میں نہ کسی کو زبردستی شامل کیا، نہ کیا جا سکتا ہے، نہ اس کا حکم ہے۔ مذہب ہر ایک کے دل کا معاملہ ہے، اس لئے ہر ایک اپنی زندگی اس کے مطابق گزارنے کا حق رکھتا ہے۔ اس حکم میں مسلمانوں کو اس اہم امر کی طرف بھی توجہ دلا دی کہ جہاں تمہاری حکومت ہے، تمہیں اس بات سے باز رہنا چاہئے کہ دوسرے مذاہب کے راہب خانے، گرجے اور معابد ظلم سے گراؤ ورنہ پھر یہ ظلم ایک دوسرے پر ہوتا چلا جائے گا تمہاری مسجدیں بھی گرائی جائیں گی اور یوں فساد کا ایک سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

بدقسمتی سے آج بعض مسلمان ملکوں میں بشمول پاکستان بھی، بعض مفاد پرست مُلاں اسلام کے نام پر عیسائیوں کو بھی نوٹس دے رہے ہیں۔ پچھلے دنوں میں اخباروں میں آ رہا تھا۔ چارسدہ میں نوٹس دیا کہ مسلمان ہو جاؤ ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے یا تمہارا گرجا گرا دیا جائے گا۔ چند سال پہلے گرائے بھی گئے تھے۔ تو یہ چیز ہے جس نے اسلام کو بدنام کیا ہے اور مخالفین اسلام کو اسلام پر انگلی اٹھانے کا موقع دیا ہے۔ آج مسلمانوں کو ان وجوہات کی وجہ سے ہر جگہ جو سبکی کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، وہ بھی اسی لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکموں کی خلاف ورزی کر رہے ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ اگر فساد اور شر کو ختم کرنے کے لئے عمل کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت تمہارے شامل حال رہے گی۔

آج ہم دیکھتے ہیں بظاہر کہیں بھی اللہ تعالیٰ کی مدد اور نصرت مسلمان حکومتوں کے شامل حال نظر نہیں آ رہی، بہت ہی بری حالت میں ہیں۔ پھر احمدیوں پر جو ظلم ہو رہے ہیں مسجدیں گرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بعض جگہ کامیاب بھی ہو جاتے ہیں تو یہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نافرمان بن رہے ہیں اور اسی وجہ سے برکت اٹھ رہی ہے۔ آج دیکھیں پاکستان کا حال کیا ہے، جیسا کہ مَیں پہلے بھی کہہ چکا ہوں، تقریباً تمام ملکوں کا یہی حال ہے۔ پس اگر حکومت نے ان جاہل مولویوں کو اب بھی لگام نہ دی تو یہ جنگ اللہ کے خلاف ہے۔ جہاں تک احمدی کا سوال ہے، احمدی تو مسیح موعود کی تعلیم پر عمل کرنے کی وجہ سے سختی کا جواب سختی سے نہیں دیتے کیونکہ جس حکومت میں رہ رہے ہیں، اس کے قانون کی پابندی کی وجہ سے ٹھیک ہے ظلم سہہ لیتے ہیں، صبر کر رہے ہیں۔ اور یوں بھی اب مسیح موعود کے زمانے میں توپ و تفنگ کی جو ظاہری جنگ ہے اس کی ممانعت ہے۔ احمدیوں نے تو اینٹ کا جواب اینٹ سے یا پتھر کا جواب پتھر سے نہیں دینا لیکن خدا تعالیٰ ضرور اپنے وعدے کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدد کو آئے گا۔

ان اسلامی ملکوں کو جہاں جہاں بھی احمدیوں پر ظلم ہو رہا ہے یا احمدیوں کے خلاف قانون پاس کئے جاتے ہیں ہوش کرنی چاہئے کہ ان ظلموں کی انتہا کی وجہ سے یہ جو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ دَفْعُ اللّٰہِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کا دفاع ان میں سے بعض کو بعض سے بھڑا کر کیا جاتا ہے تو اس ناشکری کی وجہ سے یہ بات ان پر بھی پڑ سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ یہ صرف مسلمانوں کے لئے حکم ہے کہ اگر مسلمان مظلوم ہوں گے تو ان کو اجازت ہے کہ تلوار اٹھائیں یا یہ امن و سلامتی صرف مسلمانوں کے حقوق قائم کرنے کے لئے ہے بلکہ ہر مذہب والے کے لئے یہ حکم ہے۔ وہ بھی اگر مظلوم ہے تو اللہ تعالیٰ ان کا بھی انتظام کرے گا۔ اور احمدی جو نہ صرف

مسلمان ہیں بلکہ زمانے کے امام کو ماننے کی وجہ سے جو آنحضرت ﷺ کی پیشگوئیوں کے مطابق آیا آنحضرت ﷺ کے حکموں پر سب سے زیادہ عمل کرنے والے ہیں۔ جو کلمہ طیبہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کو سب سے زیادہ اپنے دلوں میں قائم کرنے والے اور اس کی روح کو جاننے والے ہیں اور سب سے زیادہ اس کلمے پر ایمان لانے والے ہیں، اُن پر ظلم کرکے، اُن کی مسجدوں کو گرا کر یہ لوگ خود اپنے آپ کو اس حدیث کے نیچے لاتے ہیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو مسلمان دوسرے مسلمان پر حملہ کرتا ہے وہ مسلمان نہیں رہتا۔ اور مسلمان کی تعریف جیسا کہ پہلے بھی بیان کر چکا ہوں یہی ہے کہ وہ کلمہ لَآاِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پر یقین رکھتا ہو اور اس کا اس پر ایمان ہو۔ پس مسیح موعود کی جماعت نے تو کسی پر بھی ہاتھ نہیں اٹھانا کیونکہ اس وقت ہم حکومتوں کے ماتحت تو ہیں لیکن حکومت ہمارے پاس نہیں ہے اور مسیح موعود کے زمانے میں جہاد کی اس لحاظ سے ویسے بھی ممانعت کر دی گئی ہے کہ سختی نہیں کرنی۔ ہم تو عام حالات میں بھی کسی پر ہاتھ نہیں اٹھاتے تو جو کلمہ گو ہیں، جو اپنے آپ کو آنحضرت ﷺ کی طرف منسوب کرتے ہیں ان کے خلاف ہاتھ اٹھانے کا تو سوال ہی نہیں ہے۔ وہ جو مرضی کرتے رہیں ہماری طرف سے ان کے لئے سلامتی کا پیغام ہی ہے۔ ہم یہ یقین رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان ظلموں کو دُور کرنے کے راستے انشاء اللہ تعالیٰ خود کھولنے والا ہے۔ آج نہیں تو کل یہ رستے انشاء اللہ تعالیٰ کھلیں گے اور احمدی انشاء اللہ ہر جگہ آزادی کا سانس لے گا۔ لیکن ہمیں یہ بھی فکر رہتی ہے کہ اگر یہ حکومتیں اور ان کے شر پسند لوگ باز نہ آئے تو پھر اللہ تعالیٰ اپنی تقدیر کے مطابق جن کو دفاع کے لئے بھیجتا ہے وہ کہیں اپنی حدوں سے آگے نہ بڑھ جائیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ ان میں سے بہت سارے ایسے ہوں جو اسلامی تعلیم پر عمل کرنے والے نہیں ہیں۔ ان کے لئے تو کوئی زیادتی کی حدیں نہیں ہیں وہ پھر حدیں پھلانگتے چلے جاتے ہیں۔ پس ہمیں ان لوگوں کے لئے دعا بھی کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عقل دے۔ یہ پیغام جہاں مظلوم مسلمانوں کے لئے تسلی کا پیغام ہے وہاں مسلمان کہلا کر پھر ظلم سے باز نہ آنے والوں کے لئے خوف کا مقام بھی ہے۔ پس جیسا کہ مَیں نے کہا اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کی حفاظت کی اس پیغام میں ضمانت دی ہے۔ مسلمان کہلا کر پھر اس پر عمل نہ کرنے والا خود اللہ تعالیٰ کی پکڑ کے نیچے آتا ہے۔ تو جو بھی مسلمان کہلانے والے ہیں ان کو اسلام کو بدنام کرنے کی بجائے اس بات سے فیض پانے کی کوشش کرنی چاہئے کہ ہم اپنی حالتوں کو بدلتے ہوئے، اللہ تعالیٰ کے حکموں کی زیادہ سے زیادہ تعمیل کریں، ورنہ اللہ تعالیٰ کی مدد کبھی بھی شامل حال نہیں ہوگی۔ اللہ کرے کہ مسلمانوں کو عقل آ جائے اور اس حکم کے تحت ہر مظلوم کا دفاع کرنے والے ہوں اور ہر ظالم کو ظلم سے روکنے والے بنیں کیونکہ مسلمانوں کی سلامتی بھی جیسا کہ مَیں نے کہا اسی سے وابستہ ہے۔

اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ ؕ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ ○

(الحج:42)

جنہیں اگر ہم زمین میں تمکنت عطا کریں تو وہ نماز کو قائم کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور نیک باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بُری باتوں سے روکتے ہیں اور ہر بات کا انجام اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

پس یہ ہے ان لوگوں کا کام جب ان کے پاس طاقت آ جاتی ہے۔ جب اللہ کی مدد سے وہ ظالموں پر غالب آ جائیں، جب ان کی اپنی حکومت ہو، جہاں وہ اسلامی طریق کے مطابق اپنی زندگی گزار سکیں تو پھر اپنے جائزے لیں اور سوچیں کہ یہ سب کچھ جو ملا ہے یہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملا ہے۔ ہم نے اب ان لوگوں جیسا نہیں ہونا جن کا مقصد لوگوں کو ان کی آزادیوں سے محروم کرنا ہے بلکہ ایک اسلامی حکومت سے بلا امتیاز مذہب یا دوسری وابستگیوں کے ہر شہری کے لئے آزادیٔ رائے اور ضمیر کی توقع کی جاتی ہے۔ ہر ایک کے لئے ملکی سیاست میں آزادی سے شمولیت کی توقع کی جاتی ہے جہاں ہر ایک کے لئے بحیثیت شہری ترقی کے یکساں مواقع میسر ہوں اور یہ اسلامی حکومتوں کا کام ہے۔ اور اسلامی حکومت چلانے کے یہ اسلوب اس وقت آئیں گے اور شہریوں کے حقوق ادا کرنے کی توفیق تب ملے گی جب یہ بات ہر وقت پیش نظر ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مجھے ہر وقت دیکھ رہی ہے۔ میرا کسی کے بھی حقوق غصب کرنا، مجھے اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے نہیں بچا سکتا کیونکہ اس کی ہر چیز پر نظر ہے۔ پس ایک

مسلمان کو یا مسلمان حکومت کو طاقت اور امن اور سلامتی مل جانے کے بعد حقیقی عبادت گزار بننا ہوگا۔ کیونکہ حقیقی عبادت گزار بنے بغیر، نمازوں کے قیام کے بغیر، اللہ کا خوف دلوں میں پیدا نہیں ہوسکتا۔ اور حقیقی نمازیں وہ ہیں جو اللہ کے خوف اور تقویٰ سے ادا کی جاتی ہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بہت سارے نمازی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ہلاکت بھیجی ہے۔ جن کی نمازیں منہ پر ماری جائیں گی۔ تو یہ سوچنا ہوگا کہ کیا ہم وہ نمازیں ادا کر رہے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکموں کے مطابق چلنے والے لوگوں کی نمازیں ہیں۔ پھر مالی قربانی بھی کرنی ہو گی نہ یہ کہ ظلم کرتے ہوئے دوسروں کے مال کو غصب کر جائیں۔ پھر نیکیوں کی تلقین ہے بری باتوں سے روکنا ہے اور یہ اللہ کے تقویٰ کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

پس ان سب باتوں کا خلاصہ یہ بنتا ہے کہ ایک اسلامی حکومت طاقت آنے کے بعد صرف اپنی طاقت کو غلط ذرائع سے بڑھانے میں مصروف نہ ہو جائے بلکہ بلا امتیاز مذہب و نسل ہر شہری کے حقوق کی حفاظت، غریبوں کو ان کا مقام دینا یہ اس کا کام ہے تاکہ معاشرے اور ملک میں امن اور سلامتی کی فضا پیدا ہو سکے۔ اور خاص طور پر ہر شہری کے اُس کے ضمیر کے مطابق مذہب اختیار کرنے اور اس کے مطابق عبادت کرنے اور اس کی عبادتگاہوں کی حفاظت کی ضمانت دینا یہ ایک اسلامی حکومت کا کام ہے۔ کیونکہ یہی چیز ہے جو امن اور سلامتی کی بھی ضمانت ہے۔

پس آج تمام اسلامی حکومتوں کا کام ہے کہ اسلام کی یہ حقیقی تصویر تمام دنیا کے سامنے پیش کریں۔ جماعت احمدیہ کے پاس تو حکومت نہیں ہے لیکن ہم دعا کر سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو یہ توفیق دے کہ یہ اسلام کی صحیح تصویر پیش کرنے والے بنیں تاکہ آج اسلام پر ہر طرف سے جو حملے ہو رہے ہیں اور جو حملے دراصل اسلام کو نہ سمجھنے اور بعض مسلمانوں کے غلط رویّے اور غلط حرکات کی وجہ سے ہو رہے ہیں، ان کو دنیا کے ذہنوں سے نکالا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جنگ کی جو اجازت ہے اسلامی حکومت کو دی جاتی ہے، ان وجوہات کی وجہ سے جو پہلے بیان ہوئی ہیں۔ لیکن اجازت کے باوجود اس کی حدیں مقرر کی گئی ہیں، اس کے قواعد وضوابط مقرر کئے گئے ہیں، کھلی چھٹی نہیں مل گئی۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ اگر دشمن ظلم کرتا ہے تو تم بھی یہ نہ ہو کہ ظلم کرنے والے بنو بلکہ جس حد تک ہوسکتا ہے، اپنی جنگ کو اس حد تک محدود رکھو کہ جہاں صرف ظلم رُک جائے۔ کسی قسم کی بھی زیادتی اسلامی حکومت کی طرف سے نہیں ہونی چاہئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَکُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ط اِنَّ اللّٰہَ لَایُحِبُّ الْمُعْتَدِیْنَ ○

(البقرۃ:191)

اور اللہ کی راہ میں ان سے قتال کرو جو تم سے قتال کرتے ہیں اور زیادتی نہ کرو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

پھر فرمایا:

وَاقْتُلُوْھُمْ حَیْثُ ثَقِفْتُمُوْھُمْ وَاَخْرِجُوْھُمْ مِّنْ حَیْثُ اَخْرَجُوْکُمْ وَالْفِتْنَۃُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ج وَلَا تُقٰتِلُوْھُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوْکُمْ فِیْہِ ج فَاِنْ قٰتَلُوْکُمْ فَاقْتُلُوْھُمْ ط کَذٰلِکَ جَزَآءُ الْکٰفِرِیْنَ ○

(البقرۃ:192)

اور (دوران قتال، جنگ کے دوران) انہیں قتل کرو، جہاں کہیں بھی تم انہیں پاؤ اور انہیں وہاں سے نکال دو جہاں سے تمہیں انہوں نے نکالا تھا اور فتنہ قتل سے زیادہ سنگین ہوتا ہے اور ان سے مسجد حرام کے پاس قتال نہ کرو یہاں تک کہ وہ تم سے وہاں قتال کریں۔ پس اگر وہ تم سے قتال کریں تو پھر تم ان کو قتل کرو، کافروں کی ایسی ہی جزا ہوتی ہے۔

پھر فرمایا:

فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○

(البقرۃ:193)

پس اگر وہ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ تعالیٰ بہت مغفرت کرنے والا اور بار بار رحم کرنے والا ہے۔

پھر فرماتا ہے:

وَقٰتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ لِلّٰہِ ط فَاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیْنَ○

(البقرۃ:194)

اور ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین (اختیار کرنا) اللہ کی خاطر ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو (زیادتی کرنے والے) ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں کرنی۔

تو یہ ہے عدل وانصاف پر مبنی اسلام کی سلامتی کی تعلیم کہ جنگ کی اجازت صرف اس صورت میں ہے کہ جنگ صرف اللہ تعالیٰ کی خاطر ہو اور اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہوا کوئی کام بھی ظلم پر مبنی نہیں ہو سکتا۔ پس اللہ کی خاطر جنگ کا مطلب ہے کہ اُن لوگوں سے لڑو جو اللہ کی عبادت سے روکتے ہیں، جو ظلم کرتے ہیں اور جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے، ظلم وتعدّی میں حد سے زیادہ بڑھ چکے ہیں۔ پس یہ لڑائی لڑنے کا اس کے علاوہ کوئی مقصد نہ ہو کہ یہ جو کچھ بھی کیا جارہا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی خاطر ہی کیا جارہا ہے۔ اگر کوئی جنگ ذاتی لالچوں، حرصوں اور اپنی حکومت کا رسوخ بڑھانے کے لئے ہے تو ایسی جنگ اسلام میں قطعاً منع ہے۔

اور پھر فرمایا یہ جنگ اس وقت جائز ہے جب دشمن تم پر حملے میں پہل کرے۔ پھر یہ بھی اجازت نہیں کہ جس قوم سے جنگ ہو رہی ہے اس کے ہر شخص سے تمہاری جنگ ہے بلکہ اگر اس طرح کروگے تو زیادتی ہوگی اور زیادتی کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا۔ تمہاری جنگ صرف فوجیوں سے ہونی چاہئے جو ہتھیار لے کر تمہارے سامنے آئیں۔

پھر فرمایا کہ جنگ کو محدود رکھو۔ یہ نہیں کہ دشمن کو سبق دینے کے لئے جنگ کے میدان وسیع کرتے چلے جاؤ۔ پھر عبادتگاہوں کے قریب بھی جنگ سے بھی منع کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ دشمن مجبور کرے کجا یہ کہ ان عبادتگاہوں کو گرایا جائے۔ اس لئے آنحضرت ﷺ اپنے لشکروں کو خاص طور پر ہمیشہ یہ ہدایت فرمایا کرتے تھے کہ معبدوں اور گرجوں کی حفاظت کرنی ہے، ان کو نہیں گرانا، ان کو نقصان نہیں پہنچانا۔ اور مسجد حرام کے اردگرد تو جنگ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جو امن اور سلامتی کے ساتھ تمام دنیا کے لوگوں کو ایک ہاتھ پر جمع کرکے امت واحدہ بنانے والا ہے۔ اس لئے اس کا تقدس تو ہر حال میں قائم رہنا چاہئے سوائے اس کے کہ دشمن مجبور کرے اور تم پر حملہ کرے تو پھر مجبوری ہے۔

اللہ تعالیٰ کا جنگ کی اجازت دینے کا مقصد دنیا کے فساد کو دُور کرنا ہے۔ اس لئے فرمایا کہ جب فتنہ ختم ہو جائے یا دشمن جنگ سے باز آ جائے تو پھر ایک مسلمان سے کسی بھی قسم کی زیادتی سرزد نہیں ہونی چاہئے۔ جب مذہبی آزادی قائم ہوگی تو پھر سیاسی مقاصد کے لئے جنگوں کا کوئی جواز نہیں۔ پس یہ ہے اسلامی تعلیم۔ اگر اسلام کا مقصد صرف طاقت کے زور سے اسلام کو پھیلانا ہوتا تو یہ حکم نہ ہوتا کہ فَـاِنِ انْتَھَوْا فَلَا عُدْوَانَ اگر وہ باز آ جائیں تو پھر ان پر کسی قسم کی گرفت نہیں ہے۔ پھر جنگوں کے بلاوجہ بہانے تلاش نہ کرو۔ ہر ایک کو اپنے مذہب کے مطابق اپنی زندگی گزارنے کا حق ہے۔ جنگ صرف اس وقت تک ہے جب وہ تمہارے سے جنگ کر رہے ہیں نہ اس لئے کہ ان کے مذہب کو بدلا جائے۔

پھر ایک جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

قُلْ لِّلَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ یَّنْتَھُوْا یُغْفَرْلَھُمْ مَا قَدْ سَلَفَ ج وَاِنْ یَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَ وَّلِیْنَ ٥

(الانفال:39)

جنہوں نے کفر کیا ان سے کہہ دے کہ وہ باز آ جائیں تو جو کچھ گزر چکا وہ انہیں معاف کر دیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ (جرم کا) اعادہ کریں تو یقیناً پہلوں کی سنّت گزر چکی ہے۔

پھر فرمایا:

وَقَاتِلُوْھُمْ حَتّٰی لَا تَکُوْنَ فِتْنَۃٌ وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ ج فَاِنِ انْتَھَوْا فَاِنَّ اللّٰہَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ٥

(الانفال:40)

اور تم ان سے قتال کرتے رہو یہاں تک کہ کوئی فتنہ باقی نہ رہے اور دین خالصتاً اللہ کے لئے ہو جائے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو یقیناً اللہ اس پر جو وہ عمل کرتے ہیں گہری نظر رکھنے والا ہے۔

پھر فرمایا:

وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰہَ مَوْلٰکُمْ ط نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ ٥

(الانفال:41)

اور اگر وہ پیٹھ پھیر لیں تو جان لو کہ اللہ ہی تمہارا والی ہے۔ کیا ہی اچھا

والی اور کیا ہی اچھا مدد کرنے والا ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان آنحضرت ﷺ کے ذریعہ کروایا کہ ہم یہ جنگ کوئی ظلم و تعدی کی وجہ سے نہیں کر رہے بلکہ یہ تم ہو جنہوں نے ہمیں مکّہ میں بھی ظلم کا نشانہ بنایا، اب بھی تم ہم پہ جنگ ٹھونس رہے ہو۔ جنگ بدر کے بعد کفار سے کہا جا رہا ہے، جو کہ مکّہ سے ہجرت کے تھوڑے عرصہ بعد ہی لڑی گئی تھی۔ ابھی تو ان تکلیفوں اور ظلموں اور زیادتیوں کی یادیں بھی تازہ تھیں جو کفار مکہ نے کیں۔ مسلمانوں کو جس طرح ظلم کا نشانہ بنایا گیا، خود آنحضرت ﷺ کو جو دُکھ اور تکلیفیں دی گئیں ان کی یادیں بھی تازہ تھیں۔ تو بدر کی جنگ میں جب انہوں نے حملہ کیا تو کفار کو شکست کا سامنا بھی کرنا پڑا۔ اس سے مسلمانوں کے حوصلے بلند ہوئے۔ ان کو اللہ تعالیٰ پر مدد کا یقین بھی مزید مضبوط ہوا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے یہ اعلان کروایا کہ مسلمان کا دل بغض اور کینہ اور بدلہ لینے سے بہت بالا ہے۔ ہر مسلمان سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ سلامتی کا چلتا پھرتا پیغام ہو۔ یہ اعلان اس لئے فرمایا کہ ہم تمہارے پرانے ظلم بھی معاف کرتے ہیں۔ تمہارا یہ جنگ ٹھونسنا بھی ہم معاف کرتے ہیں۔ اگر تم ہم سے آئندہ جنگ نہ کرنے کا معاہدہ کرنا چاہو۔ یہ عہد کرو تو ہماری طرف سے بھی پابندی ہوگی۔ لیکن اگر باز نہیں آؤ گے تو پھر ہماری مجبوری ہے۔ جب بھی تم حملہ کرو گے، یا ہمارے ساتھیوں کو، دوسرے مسلمانوں کو تکلیفیں پہنچاؤ گے تو تمہارے ظلم کو روکنے کی وجہ سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔ تو اللہ کے دین کی خاطر اور دنیا کے امن اور سلامتی کی خاطر ہمیں لڑنا پڑے گا تو لڑیں گے۔

یہ بھی اعتراض ہوتا ہے کہ فرمایا وَّیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّہٗ لِلّٰہِ یعنی اور دین خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لئے ہو جائے۔ اعتراض کرنے والے اسلام پر اعتراض کرتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمانوں کو یہ حکم ہے کہ تم جنگ کرتے چلے جاؤ اور اسلام کو تلوار کے زور سے پھیلاتے چلے جاؤ یہاں تک کہ تمام دنیا پر اسلام پھیل جائے۔ تو یہ تو کم عقلی اور کم فہمی ہے اور اسلام پر الزام تراشی ہے۔ اگر سیاق و سباق کے ساتھ دیکھیں اور دوسری آیات کے ساتھ دیکھیں، جن میں سے چند کا میں نے ذکر بھی کر دیا ہے تو اس سے صاف مطلب بنتا ہے کہ کیونکہ ہر شخص کے دین کا معاملہ اپنے خدا کے ساتھ ہے اس لئے جس کا جو دین ہے وہ اختیار کرے۔ اسلام کا پیغام پہنچانا تو ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن اس کو زبردستی منوانا مسلمان کا کام نہیں ہے۔ یہ اللہ کا معاملہ ہے۔ ''اللہ کے لئے دین ہو جائے'' کا مطلب یہ ہے کہ جو بھی تم کام کرو وہ خالصتاً اللہ کے لئے کرو، نہ یہ کہ اسلام کو زبردستی ٹھونسو۔ اگر کوئی نہیں مانتا تو یہ اس کی مرضی ہے، ہر ایک کا عمل اللہ تعالیٰ کے سامنے ہے پھر وہ جو چاہے گا سلوک کرے گا۔

آنحضرت ﷺ کی ذات پر بھی یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ آپ بھی نعوذ باللہ زبردستی لشکر کشی کیا کرتے تھے اور زبردستی مسلمان بناتے تھے اور اسی لئے یہ جنگیں لڑی گئیں۔ اور اس دلیل کے علاوہ یہ دلیل بھی دی جاتی ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بادشاہوں کو تبلیغی خطوط لکھا کرتے تھے یا جب کوئی لشکر بھجواتے تھے یا جب کوئی غزوہ ہوتا تھا اَسْلِمْ تَسْلَم یا اَسْلِمُوْا تَسْلَمُوْا کا پیغام بھجواتے تھے یعنی اسلام قبول کر لو تو محفوظ رہو گے۔ اور اس کا نتیجہ نکالنے والے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ یہ دھمکی ہے کہ اسلام قبول کر لو ورنہ پھر ہم طاقت کے زور سے منوائیں گے۔

پہلی بات تو یہ کہ آنحضرت ﷺ خالصتاً تبلیغی نقطہ نظر سے یہ فرماتے تھے کہ اسلام کا پیغام ہی ہے جو سلامتی کا پیغام ہے اس لئے اس کی فرمانبرداری کرو اور اس کے سائے تلے آجاؤ۔ یہ معترضین تو دنیا کی آنکھ سے دیکھتے ہیں یہ کم از کم اتنی عقل کرتے کہ بڑے بڑے بادشاہوں کو آنحضرت ﷺ نے تبلیغی خطوط لکھے اور ایک ہی وقت میں خطوط لکھے اور بقول معترضین کے کہ یہ دھمکی آمیز الفاظ ہیں تو یہ خطوط ایک ہی وقت میں دنیا کی تمام بڑی بڑی حکومتوں کو، بادشاہوں کو لکھے جا رہے ہیں کہ اگر نہ مانو گے تو جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔ اگر ان کے مطابق اس کے معنے لئے جائیں تو کوئی بھی عام عقل کا انسان بھی اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتا کہ تمام دنیا سے ایک وقت میں ٹکر لی جائے جبکہ خود اس وقت اسلام کی طاقت محدود تھی۔ ان کو کچھ تو عقل کرنی چاہئے، سوچنا چاہئے۔ آنحضرت ﷺ نے جو خدا تعالیٰ کے نبی تھے اور اس کی ذات پر آپ کو مکمل یقین تھا آپؐ نے یہ پیغام دیا لیکن اس لئے دیا کہ آپؐ انسانی ہمدردی چاہتے تھے اور آپ کو یقین تھا کہ اس دین میں ہی اب امن و سلامتی ہے۔ یہی دین ہے جو امن اور سلامتی پھیلانے والا دین ہے اس لئے دنیا کو اسے تسلیم کرنا چاہئے۔ اور اس نیت سے انہوں نے یہ پیغام مختلف بادشاہوں کو بھجوائے۔ آنحضرت ﷺ، جن کو خدا تعالیٰ نے اپنا آخری شرعی پیغام دے کر دنیا میں بھیجا' سے زیادہ کوئی بھی اس یقین پر قائم نہیں ہو سکتا تھا کہ اب یہی پیغام ہے جو دنیا کی سلامتی کا ضامن ہے۔ پس اس لحاظ سے انہی الفاظ کے ساتھ آپؐ نے بادشاہوں کو بھی

دعوت دی اور آپ اس ہمدردی کی وجہ سے ہر حد سے بڑھے ہوئے کو جو اسلام کو ختم کرنے کے درپے تھا جنگ شروع ہونے سے پہلے یہی پیغام بھیجا کرتے تھے کہ اسلام تو امن وسلامتی اور صلح کا پیغام ہے اب جبکہ تم ہم پر جنگ ٹھونس رہے ہو ہم اب بھی اس سے گریز کرتے ہوئے تمہیں یہ سلامتی کا پیغام دیتے ہیں کہ اگر تم اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتے ہو تو رہو۔ بیشک اپنے طریق کے مطابق عبادت کرو لیکن اسلام کے خلاف سازشیں کرنے اور مسلمانوں کو تنگ کرنے سے باز آ جاؤ۔ اور اب جبکہ تم نے ہم پہ جنگ ٹھونسی ہے اور اس کو ماننے کو تیار نہیں تو اب یہی ایک حل ہے کہ اگر تم جنگ ہارتے ہو تب بھی تمہیں فرمانبرداری اختیار کرنا پڑے گی اور اگر جنگ کئے بغیر اسلام کی فرمانبرداری اور اطاعت میں آتے ہو تب بھی ٹھیک ہے، تمہارے سارے حقوق تمہیں دیئے جائیں گے۔ پس یہ الزام قطعاً غلط ہے کہ نعوذ باللہ کوئی دھمکی تھی بلکہ اس کو جس طرح بھی لیا جائے یہ اس حکم کی تعمیل تھی کہ جب تک دین خالصتاً اللہ کے لئے نہ ہو جائے امن قائم کرنے کی کوشش کرنی ہے۔ ہر ایک کو مذہبی آزادی دینی ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ جنگوں میں کس طرح محکوم قوم کا خیال رکھا کرتے تھے اور اس کی تلقین فرمایا کرتے تھے۔ یہاں تک فرمایا کہ جنگ میں کوئی دھوکے بازی نہیں کرنی۔ آپ کے حملے بھی ہمیشہ دن کی روشنی میں ہوا کرتے تھے۔ حکم تھا کہ کسی بچے کو نہیں مارنا، کسی عورت کو نہیں مارنا، پادریوں اور مذہبی رہنماؤں کو قتل نہیں کرنا، بوڑھوں کو نہیں مارنا بلکہ جو تلوار نہیں اٹھاتا اسے بھی کچھ نہیں کہنا چاہے وہ نوجوان ہو۔ پھر دشمن ملک کے اندر خوف اور دہشت پیدا نہیں کرنی۔ لشکر جنگ میں اپنا پڑاؤ ڈالیں تو ایسی جگہ ڈالیں جہاں لوگوں کو تکلیف نہ ہو اور فرمایا جو اس بات کی پابندی نہیں کرے گا اس کی لڑائی خدا کے لئے نہیں ہوگی بلکہ اپنے نفس کے لئے ہوگی اور جو لڑائیاں نفس کے لئے لڑی جاتی ہیں اس میں ظلم و تعدّی کے علاوہ کچھ نہیں ہوا کرتا۔ تو اس ظلم و تعدّی کو روکنے کے لئے ہی اور اس سلامتی کو پھیلانے کے لئے ہی حکم ہے کہ تمہارا ہر کام خدا کی خاطر ہونا چاہئے۔

پھر دیکھیں انسانی ہمدردی کی انتہا۔ آپ ہدایت دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دشمن کے منہ پر زخم نہیں لگانا۔ کوشش کرنی ہے کہ دشمن کو کم از کم نقصان پہنچے۔ قیدیوں کے آرام کا خیال رکھنا ہے۔ غالباً جنگ بدر کے ایک قیدی نے بیان کیا کہ جس گھر میں وہ قید تھا اس گھر والے خود کھجور پر گزارا کرتے تھے اور مجھے روٹی دیا کرتے تھے اور اگر کسی بچے کے ہاتھ میں بھی روٹی آ جاتی تھی تو مجھے پیش کر دیتے تھے۔ اس نے ذکر کیا کہ مَیں بعض دفعہ شرمندہ ہوتا تھا اور واپس کرتا تھا لیکن تب بھی (کیونکہ یہ حکم تھا، اسلام کی تعلیم تھی) وہ باصرار روٹی مجھے واپس کر دیا کرتے تھے کہ نہیں تم کھاؤ۔ تو بچوں تک کا یہ حال تھا۔ یہ تھی وہ سلامتی کی تعلیم، امن کی تعلیم، ایک دوسرے سے پیار کی تعلیم، دوسروں کے حقوق کی تعلیم جو آنحضرت ﷺ نے اپنی امت میں قائم کی۔ اور بچہ بچہ جانتا تھا کہ اسلام امن وسلامتی کے علاوہ کچھ نہیں۔ پھر کسی بھی قوم سے اچھے تعلقات کے لئے اس کے سفیروں سے حسن سلوک انتہائی ضروری ہے۔ آپ کا حکم تھا کہ غیر ملکی سفیروں سے خاص سلوک کرنا ہے۔ ان کا ادب اور احترام کرنا ہے اگر غلطی بھی ہو جائے تو صرف نظر کرنی ہے، چشم پوشی کرنی ہے۔ پھر اس امن قائم کرنے کے لئے فرمایا کہ اگر جنگی قیدیوں کے ساتھ کوئی مسلمان زیادتی کا مرتکب ہو تو اس قیدی کو بلا معاوضہ آزاد کر دو۔ تو یہ احکام ہیں جن سے پتہ لگتا ہے کہ اسلام کی جنگیں برائے جنگ نہ تھیں بلکہ اسلام کے لئے، اللہ تعالیٰ کے لئے تھیں۔ آزادی ضمیر و مذہب کے قیام کے لئے تھیں اور دنیا کو امن وسلامتی دینے کے لئے تھیں۔

پھر قیدیوں سے حسن سلوک کے بارے میں قرآنی تعلیم ہے کہا گر کسی قیدی کو یا غلام کو فدیہ دے کر چھڑانے والا کوئی نہ ہو اور وہ خود بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَبْتَغُوْنَ الْكِتٰبَ مِمَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا ۖ وَّاٰتُوْهُمْ مِّنْ مَّالِ اللّٰهِ الَّذِيْٓ اٰتٰكُمْ ؕ

(النور:34)

یعنی تمہارے غلاموں یا جنگی قیدیوں میں سے جو تمہیں معاوضہ دینے کا تحریری معاہدہ کرنا چاہیں تو اگر تم ان میں صلاحیت پاؤ کہ ان میں یہ صلاحیت ہے، ان کو کوئی ہنر آتا ہے کہ وہ اس معاہدے کے تحت کوئی کام کر کے اپنی روزی کما سکتے ہیں تو تحریری معاہدہ کر لو اور ان کو آزاد کر دو اور وہ مال جو اللہ نے تمہیں دیا ہے اس سے بھی کچھ انہیں دو۔ یہ جو جنگوں کا خرچ ہے کیونکہ اس وقت انفرادی طور پر پورا کیا جاتا تھا تو جس مالک کے پاس وہ غلام ہے وہ اس کا کچھ خرچ برداشت کرے یا وہ نہیں کرتا تو مسلمان اکٹھے ہو کر اس کے لئے سامان کر دیں اس طرح اس کو آزادی مل جائے یا لکھ کر آزادی مل جائے یا اگر اس کا کوئی فائدہ ہو سکتا ہے تو جو تھوڑی بہت کمی رہ گئی اپنے پاس سے پوری کر دو تا کہ وہ آزادی سے روزی کما سکے اور اس طرح معاشرے کا آزاد شہری بنتے ہوئے ملکی

ترقی میں بھی شامل ہو سکے کیونکہ اس کا ہنر اس کو فائدہ پہنچانے کے ساتھ ملک کے بھی کام آرہا ہوگا۔

تو یہ ہے اسلام کی خوبصورت تعلیم جو ہر پہلو سے ہر طبقے پر سلامتی بکھیرنے والی ہے۔ ہر ایک کو آزادی دلوانے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہر احمدی کو توفیق دے کہ اللہ تعالیٰ کی اس خوبصورت تعلیم کے جو مختلف پہلو ہیں (جو مختلف خطبات میں بیان کئے ہیں) ان کو دنیا کے سامنے پیش کرتے ہوئے اسلام کی روشن اور حسین تعلیم سے دنیا کو روشناس کروائیں۔

حضور انور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے خطبہ ثانیہ کے دوران فرمایا۔

اس وقت ایک افسوسناک اعلان کروں گا۔ ڈنمارک کے ہمارے ایک مخلص فدائی احمدی مکرم عبدالسلام میڈسن صاحب 25 جون کو بقضائے الٰہی وفات پا گئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ آپ کے والد عیسائی پادری تھے۔ خود بھی یونیورسٹی میں کرسچین تھیالوجی (Christian Theology) کی تعلیم حاصل کر رہے تھے، عیسائیت کی تعلیم حاصل کر رہے تھے۔ انہوں نے بھی پادری بننا تھا۔ لیکن قرآن کریم کے مطالعہ کے بعد اچانک ان کی زندگی میں انقلاب آیا اور 1955ء میں جب آپ یونیورسٹی کے فائنل امتحان کی تیاری کر رہے تھے آپ نے عیسائیت کو ترک کیا اور اسلام قبول کیا۔ جس کے بعد پھر 1956ء میں ہمارے مبلغ کمال یوسف صاحب سے رابطہ ہوا جو ان دنوں میں سویڈن میں تھے، ان کے ذریعہ پھر پوری تحقیق کر کے 1958ء میں خلافت ثانیہ میں آپ نے بیعت کی اور جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے۔ پھر 1958ء میں ہی آپ نے وصیت کی توفیق پائی اور اس طرح یہ سکینڈے نیوین ممالک میں پہلے موصی تھے اور 1961ء میں اپنی زندگی وقف کرنے کی درخواست بھیجی اور 15 نومبر 1962ء کو آپ کا تقرر بطور اعزازی مبلغ ہوا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے آخر وقت تک اس پر قائم رہے۔ ڈینش کے علاوہ انگلش، جرمن اور عربی زبان پر بھی ان کو عبور تھا اور قرآن کریم کا ڈینش ترجمہ بھی انہوں نے کیا جو پہلی بار 1967ء میں شائع ہوا۔ قرآن کریم کے ترجمہ کے علاوہ بھی انہوں نے جماعت کا کافی لٹریچر پیدا کیا۔ جس میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کتب کا ترجمہ بھی شامل ہے۔ ان کی بہت ساری خدمات ہیں۔ کچھ عرصہ سے ان کو کینسر تھا جس کی وجہ سے بیمار تھے۔ مجھے سلام اور دعا کے لئے پیغام بھی بھجواتے رہتے تھے۔ ہر خلافت سے ان کا ہمیشہ تعلق رہا۔ ان کی اہلیہ بھی 1960ء میں بیعت کر کے احمدیت میں شامل ہوئی تھیں۔ اہلیہ اور بیٹا ان کی یادگار ہیں۔

دوسرے مکرم استاذ صالح جابی صاحب جو سینیگال کے ہیں یہ یکم مئی کو 68 سال کی عمر میں بقضائے الٰہی وفات پا گئے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّااِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ سینیگال کے ابتدائی احمدیوں میں سے تھے اور بڑے اچھے داعی الی اللہ تھے تبلیغ میں مصروف رہتے تھے۔ آپ علاقے کے معروف عربی استاد اور عالم تھے اور آپ کے گاؤں اور نزدیک کے دوسرے دیہات سے لوگ علم حاصل کرنے کے لئے آپ کے پاس آتے رہتے تھے۔ 1985ء سے انہوں نے بطور معلم جماعت کو اپنی خدمات پیش کیں اور اس عہد کو وفات تک نبھایا۔

اللہ تعالیٰ ہر دو بزرگوں کے درجات بلند فرمائے۔ مغفرت کا سلوک فرمائے۔ ابھی جمعہ کی نماز کے بعد ان دونوں کی نماز جنازہ غائب پڑھوں گا۔ انشاءاللہ۔

(بشکریہ الفضل انٹرنیشنل لندن)

****

ستمبر 2007 کے شمارے میں مضمون بعنوان ''صوم رمضان کی حدود و قیود'' میں دی گئی حدیث کے بعض الفاظ رہ گئے تھے۔ مکمل حدیث درج ذیل ہے:

ایک مرتبہ حضرت نبی کریم ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا کہ بتاؤ مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک مفلس وہ ہے جس کے پاس درہم و دینار یعنی دنیاوی مال نہ ہو۔ حضورؐ نے فرمایا کہ میری اُمت کا مفلس وہ ہے جس نے روزے، نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کیا ہو مگر ساتھ ساتھ کسی کے خلاف زبان درازی کی ہو، کسی پر تہمت لگائی ہو، کسی کا مال ناجائز طریق سے کھایا ہو، ان مظالم کے بدلے میں قیامت کے دن اس کی نیکیاں اس سے لے کر ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی اس طرح اس کی نیکیاں ختم ہو جانے کے بعد تبادلے میں اُسے دوسروں کے گناہ اور خطائیں دے دی جائیں گی اور انجام کار اُسے دوزخ کی طرف دھکیل دیا جائے گا۔

(صحیح مسلم باب تحریم الظلم)

اِقَامَةُ الصَّلٰوۃ

عطاء المجیب راشد، امام مسجد لندن

تقریر جلسہ سالانہ۔ برطانیہ 2007

دو مختصر سے الفاظ پر مشتمل یہ عنوان پُر حکمت معانی اور معارف کا ایک وسیع سمندر ہے۔ یہ دو الفاظ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ایک ایسے بنیادی حکم کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں جو دراصل بنی نوع انسان کی تخلیق کی علت غائی ہے۔ انسانی زندگی کا مقصد بھی ان میں بیان کیا گیا ہے اور اس کے حصول کا ذریعہ بھی۔ قرآن مجید میں سب سے پہلا حکم جو کل بنی نوع انسان کو دیا گیا، وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ عبادت کی ایک معین صورت جو مذہب اسلام نے دین کے ستون اور بنیادی فریضہ کے طور پر مسلمانوں پر فرض کی ہے وہ صلوٰۃ ہے۔ اس حوالہ سے اقامۃ الصلوٰۃ کا مضمون ایک مومن کی زندگی میں مرکزی اور اساسی حیثیت رکھتا ہے۔ اور ہر مومن کا فرض بنتا ہے کہ وہ اس کے حقیقی مفہوم سے پوری طرح آشنا ہوتے ہوئے اس حکم پر پورے تعہد کے ساتھ عمل پیرا ہو اور اپنی زندگی کا مقصد پا کر جب وہ اپنے مولیٰ کے حضور حاضر ہو تو اسے یہ صدا آئے کہ اے نفسِ مطمئنہ! آ میرے پاس آجا۔ تو مجھ سے راضی اور میں تجھ سے راضی۔ آ میرے بندوں میں داخل ہو جا اور میری جنت میں بسیرا کر۔ اسی نیت اور اسی خواہش سے کہ یہ مقام ہم سب کو نصیب ہو، میں اس اہم موضوع پر چند گزارشات پیش کرتا ہوں۔

نماز کی حقیقت

اقامۃ الصلوٰۃ کے مضمون کو سمجھنے اور اس پر عمل پیرا ہونے کے لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے نماز کا حقیقی مفہوم ہم پر واضح ہو اور پھر یہ معلوم کیا جائے کہ اقامت سے کیا مراد ہے۔ ہر مسلمان خوب جانتا ہے کہ سارا قرآن مجید نماز کے ذکر سے اور اس کی تاکید سے بھرا پڑا ہے۔ سنّت نبویؐ کے تذکرہ میں نماز کو ایک مرکزی حیثیت حاصل ہے اور احادیث نبویہ میں نماز کا ذکر بہت کثرت سے ملتا ہے۔ ہدایت کے ان تینوں ذرائع سے اکتسابِ فیض کرتے ہوئے، علم و عرفان کے ان چشموں سے سیراب ہو کر امام الزمان سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے جس خوبصورت انداز میں نماز کا ذکر کیا ہے وہ ایک ایمان افروز بیان ہے اور حرز جان بنانے کے لائق ہے۔

حقیقی نماز کیا ہے اور کس انداز میں نماز ادا کرنی فرض ہے، حضرت مسیح پاک علیہ السلام کے مبارک الفاظ میں سنئے۔ فرمایا:

”صلوٰۃ اصل میں آگ میں پڑنے اور محبت الٰہی اور خوف الٰہی کی آگ میں پڑ کر اپنے آپ سے جل جانے اور ماسویٰ اللہ کو جلا دینے کا نام ہے۔ اور اس حالت کا نام ہے۔ کہ صرف خُدا ہی خُدا اس کی نظر میں رہ جاوے۔ اور انسان اس حالت تک ترقی کر جاوے کہ خُدا کے بُلائے سے بولے اور خدا کے چلانے سے چلے۔ اُس کی کل حرکات اور سکنات۔ اس کا فعل اور ترکِ فعل سب اللہ ہی کی مرضی کے مطابق ہو جاوے۔ خودی دُور ہو جاوے“

(ملفوظات جلد 10، صفحہ 314)

پھر فرمایا:

”نماز سے وہ نماز مراد نہیں جو عام لوگ رسم کے طور پر پڑھتے ہیں بلکہ وہ نماز مراد ہے جس سے انسان کا دل گداز ہو جاتا ہے اور آستانہ احدیت پر گر کر ایسا محو ہو جاتا ہے کہ پگھلنے لگتا ہے“

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 402-403)

پھر آپ فرماتے ہیں:

”نماز کیا چیز ہے۔ وہ دعا ہے جو تسبیح **تحمید تقدیس** اور استغفار اور درود کے ساتھ تضرع سے مانگی جاتی ہے“

(کشتی نوح۔ روحانی خزائن جلد 19 صفحہ 65)

پھر آپؑ تحریر فرماتے ہیں:

''نماز کیا ہے؟ یہی کہ اپنے عجز و نیاز اور کمزوریوں کو خدا کے سامنے پیش کرنا اور اسی سے اپنی حاجت روائی چاہنا۔ کبھی اس کی عظمت اور اس کے احکام کی بجا آوری کے واسطے دست بستہ کھڑا ہونا اور کبھی کمال مذلّت اور فروتنی سے اس کے آگے سجدے میں گر جانا۔ اس سے اپنی حاجات کا مانگنا یہی نماز ہے۔ ایک سائل کی طرح کبھی اس مسئول کی تعریف کرنا کہ تو ایسا ہے، تو ایسا ہے۔ اس کی عظمت اور جلال کا اظہار کر کے اس کی رحمت کی جنبش دلانا پھر اس سے مانگنا''

(تفسیر مسیح موعود جلد 3 صفحہ 612 مطبوعہ ربوہ طبع جدید)

مزید فرمایا:

''جس نماز میں تضرّع نہیں۔ خدا تعالیٰ کی طرف رُجوع نہیں۔ خدا تعالیٰ سے رقّت کے ساتھ دُعا نہیں وہ نماز تو خود ہی ٹوٹی ہوئی نماز ہے۔ نماز وہ ہے جس میں دُعا کا مزا آجاوے۔ خدا تعالیٰ کے حضور میں ایسی توجہ سے کھڑے ہو جاؤ کہ رقّت طاری ہو جائے جیسے کہ کوئی شخص کسی خوفناک مقدمہ میں گرفتار ہوتا ہے اور اُس کے واسطے قید یا پھانسی کا فتویٰ لگنے والا ہوتا ہے۔ اس کی حالت حاکم کے سامنے کیا ہوتی ہے؟ ایسے ہی خوفزدہ دل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا ہونا چاہئے۔ جس نماز میں دل کہیں ہے اور خیال کسی طرف ہے اور منہ سے کچھ نکلتا ہے وہ ایک لعنت ہے جو آدمی کے منہ پر واپس ماری جاتی ہے اور قبول نہیں ہوتی۔۔۔ نماز وہی اصلی ہے جس میں مزا آجاوے۔ اور یہی وہ نماز ہے جس کی تعریف میں کہا گیا ہے کہ نماز مومن کا معراج ہے۔ نماز مومن کے واسطے ترقی کا ذریعہ ہے۔''

(ملفوظات جلد پنجم صفحہ 44-45)

قیامِ نماز کی اہمیت

نماز کی ادائیگی اسلام کا ایک بنیادی رکن ہے جس کی پابندی ہر سچے مسلمان پر لازم ہے۔ قرآن مجید کی ابتداء میں ذکر ہے کہ حقیقی مومن اور متقی وہ لوگ ہیں جو یقیمون الصلوٰۃ کی مستقل کیفیت رکھتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کا تاکیدی ارشاد ہے:

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَلَا تَکُوْنُوْا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ۝

(سورۃ الروم۔ آیت 32)

نماز قائم کرو اور مشرکوں میں سے نہ ہو۔

قیامت کے روز جب مجرموں سے سوال کیا جائے گا کہ تمہیں کس چیز نے جہنم میں داخل کیا ہے؟ تو ان کا جواب ہوگا۔

لَمْ نَکُ مِنَ الْمُصَلِّیْنَ ۝

(المدثر۔ آیت 44)

کہ ہم نمازیوں میں سے نہیں تھے۔

اس وجہ سے ہمارا یہ انجام ہوا۔ خدا تعالیٰ کی نظر میں محبوب اور مقبول نمازی وہ ہیں:

الَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ دَآئِمُوْنَ ۝

(المعارج۔ آیت 24)

وہ لوگ جو اپنی نماز پر دوام اختیار کرنے والے ہیں۔

وہ لوگ بھی محبوبِ خدا ہیں۔

الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۝

(المومنون۔ آیت 3)

وہ لوگ جو اپنی نماز میں عاجزی کرنے والے ہیں۔

اور پھر فرمایا:

وَالَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی صَلَاتِھِمْ یُحَافِظُوْنَ ۝

(المعارج۔ آیت 35)

وہ لوگ جو اپنی نمازوں پر محافظ رہتے ہیں۔

نمازوں پر دوام، نمازوں میں عاجزی اور نمازوں کی حفاظت اقامۃ الصلوٰۃ کے بنیادی ستون ہیں۔ اسی طرح نماز باجماعت کا قیام، وقت پر ادائیگی اور جملہ شرائط کو پورا کرتے ہوئے تعہد سے ان کا التزام اقامۃ الصلوٰۃ کی بنیادی شرائط ہیں۔ وقت کی پابندی کے بارہ میں تاکیدی حکم ہے کہ:

اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتَاباً مَّوْقُوْتًاO

(النساء۔ آیت 104)

یقیناً نماز کی ادائیگی مومنوں پر ایک وقت مقررہ کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔

نماز کی حفاظت کے بارہ میں اللہ تعالیٰ نے تاکیدی حکم فرمایا ہے کہ:

حٰفِظُوْا عَلَی الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوۃِ الْوُسْطٰی ق

(البقرہ۔ آیت 239)

اے مومنو! اپنی نمازوں کی حفاظت پر ہمیشہ کمربستہ رہا کرو، بالخصوص مرکزی نماز کی یعنی ہر اس نماز کی جو دیگر مصروفیات کے درمیان میں آتی ہے۔

گویا جتنی مصروفیات زیادہ ہوں اتنی ہی اس نماز کی اہمیت بھی زیادہ ہوگی۔ دیگر سب مصروفیات کو چھوڑ کر، نماز کو فوقیت دیتے ہوئے اس کا بروقت اہتمام کرنا ہی درحقیقت اقامت صلوٰۃ ہے۔ یہ وہی عہد ہے جو اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہر احمدی کرتا ہے کہ میں دین کو دنیا پر مقدم رکھوں گا۔

حدیث نبوی میں آتا ہے کہ ایک مومن اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کی ادائیگی ہے۔ ایک اور حدیث میں ذکر ہے کہ:

مَنْ تَرَکَ الصَّلٰوۃَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ کَفَرَ

کہ جس نے جان بوجھ کر نماز ادا نہ کی اس نے کفر کا ارتکاب کیا۔

ایک اور حدیث میں آتا ہے:

اِنَّ اَوَّلَ مَا یحَاسَبُ بِهِ العَبدُ بصَلٰوۃِ

(نسائی)

کہ قیامت کے روز بندے سے سب سے پہلے جس چیز کا حساب لیا جائے گا وہ اس کی نماز ہے۔

ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

اَلصَّلٰوۃُ عِمَادُ الدِّیْن

کہ نماز دین کا ستون ہے گویا یہ اسلام کی بنیاد ہے جس کے بغیر ایمان کی عمارت قائم نہیں رہ سکتی۔

قیام نماز کے بارہ میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے تاکیدی ارشادات سے آپ کی کتب بھری پڑی ہیں۔ جماعت احمدیہ میں داخلہ کے لئے آپ نے قرآن مجید اور احادیث کی متابعت میں جو دس شرائط مقرر فرمائی ہیں ان میں سے تیسری شرط بیعت میں ذکر ہے کہ ہر بیعت کرنے والا:

''بلاناغہ پنج وقتہ نماز موافق حکم خدا اور رسولؐ کے ادا کرتا رہے گا''

پھر حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے تحریر فرمایا ہے:

''جو شخص پنجگانہ نماز کا التزام نہیں کرتا وہ میری جماعت میں سے نہیں ہے''

(کشتی نوح، صفحہ 19، روحانی خزائن جلد 19)

پھر فرمایا:

''نماز خدا کا حق ہے، اسے خوب ادا کرو۔۔۔ اگر سارا گھر غارت ہوتا ہے تو ہونے دو مگر نماز کو ترک مت کرو۔۔۔ قرآن شریف میں دو جنتوں کا ذکر ہے ایک ان میں سے دنیا کی جنت ہے اور وہ نماز کی جنت ہے''

(ملفوظات جلد 6، صفحہ 370)

اقامۃ الصّلوٰۃ کا حقیقی مفہوم

نماز کی ادائیگی کے لئے قرآن مجید میں جو محاورہ اختیار کیا گیا ہے وہ اقامۃ الصلوٰۃ کا ہے اور یہ طرزِ بیان قرآن مجید میں ایک یا دو بار نہیں بلکہ 47 بار استعمال کیا گیا ہے جس سے اس کی اہمیت اور عظمت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ لفظ اقامۃ ایک بہت ہی جامع اور بلیغ لفظ ہے جس میں معانی کا ایک جہان آباد ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر کبیر میں اقامۃ الصلوٰۃ کے مختلف معانی کا تذکرہ کیا ہے۔ اس کا خلاصہ حضرت مصلح موعود کے اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں۔ فرمایا:

1۔ باقاعدگی سے نماز کی ادائیگی

اقامۃ الصلوٰۃ کے معنے باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کے ہیں کیونکہ قَامَ عَلَی الْاَمْرِ کے معنے کسی چیز پر ہمیشہ قائم رہنے کے ہیں پس یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوۃ کے یہ معنے ہوئے کہ نماز میں ناغہ نہیں کرتے۔ ایسی نماز جس میں ناغہ کیا جائے اسلام کے نزدیک نماز ہی نہیں کیونکہ نماز وقتی اعمال سے نہیں بلکہ اُسی وقت مکمل عمل سمجھا جاتا ہے جبکہ توبہ یا بلوغت کے بعد کی پہلی نماز سے لے کر وفات سے پہلے کی آخری نماز تک اس فرض میں ناغہ نہ کیا جائے جو لوگ درمیان میں

نمازیں چھوڑتے رہتے ہیں اُن کی سب نمازیں ہی رد ہو جاتی ہیں۔ پس ہر مسلمان کا فرض ہے کہ جب وُہ بالغ ہو یا جب اُسے اللہ تعالیٰ توفیق دے اُس وقت سے موت تک نماز کا ناغہ نہ کرے کیونکہ نماز خدا تعالیٰ کی زیارت کا قائم مقام ہے اور جو شخص اپنے محبوب کی زیارت سے گریز کرتا ہے وہ اپنے عشق کے دعویٰ کے خلاف خود ہی ڈگری دیتا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 104)

2۔ جملہ شرائط پوری کرتے ہوئے ادائیگی

دوسرے معنے اِقَامَۃ کے اعتدال اور درستی کے ہیں یعنی متقی نماز کو اُس کی ظاہری شرائط کے مطابق ادا کرتے ہیں اور اس کے لئے جو قواعد مقرر کئے گئے ہیں ان کو توڑتے نہیں۔ مثلاً تندرستی میں یا پانی کی موجودگی میں وضو کر کے نماز پڑھتے ہیں اور وضو بھی ٹھیک طرح ان شرائط کے مطابق کرتے ہیں جو اس کے لئے شریعت نے مقرر کی ہیں۔ اسی طرح صحیح اوقات میں نماز ادا کرتے ہیں نماز میں قیام رکوع سجدہ قعدہ کو عمدگی سے ادا کرتے ہیں۔ مقررہ عبارات اور دعائیں اور تلاوت اپنے اپنے موقع پر اچھی طرح اور عمدگی سے پڑھتے ہیں غرض تمام ظاہری شرائط کا خیال رکھتے اور انہیں اچھی طرح بجالاتے ہیں۔

اس جگہ یاد رکھنا چاہیئے کہ گو شریعت کا حکم ہے کہ نماز کو اس کی مقررہ شرائط کے ماتحت ادا کیا جائے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ جب مجبوری ہو اور شرائط پوری نہ ہوتی ہوں تو نماز کو ترک ہی کر دے۔ نماز بہرحال شرائط سے مقدم ہے۔ اگر کسی کو صاف کپڑا میسر نہ ہو تو وہ گندے کپڑوں میں ہی نماز پڑھ سکتا ہے خصوصاً وہم کی بناء پر نماز کا ترک تو بالکل غیر معقول ہے۔۔۔ جب تک شرائط کا پورا کرنا اختیار میں ہو اُن کے ترک میں گناہ ہے لیکن جب شرائط پوری کی ہی نہ جاسکتی ہوں تو اُن کے میسّر نہ آنے کی وجہ سے نماز کا ترک گناہ ہے۔ اور ایسا شخص معذور نہیں بلکہ نماز کا تارک سمجھا جائیگا۔

(تفسیر کبیر اوّل صفحہ 104)

3۔ گرتی ہوئی نماز کو سیدھا کھڑا کرنا

تیسرے معنے اِقَامَۃ کے کھڑا کرنے کے ہیں یعنی نمازی نماز کو گرنے نہیں دیتے۔ ہمیشہ اس کوشش میں رہتے ہیں کہ ان کی نماز درست اور باشرائط ادا ہو۔۔۔ اگر کوئی شخص اپنی نماز میں۔۔۔ پریشان خیالی سے دوچار ہو تو اُسے مایوس نہیں ہونا چاہیئے اور اپنی نماز کو بیکار نہیں سمجھنا چاہیئے کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے اسی قدر قربانی کی امید کرتا ہے جتنی قربانی اُن کے بس کی ہو پس ایسے نمازی جن کے خیالات پراگندہ ہو جاتے ہوں اگر نماز کو سنوار کر اور توجہ سے پڑھنے کی کوشش میں لگے رہیں تو چونکہ وہ اپنی نماز کو جب بھی وہ اپنے مقام سے گرے کھڑا کرنے کی کوشش میں لگے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی نماز کو ضائع نہیں کرے گا بلکہ اسے قبول کرے گا اور اس نماز کو کھڑا کرنے کی کوشش کرنیوالے کو متقیوں میں ہی شامل سمجھے گا۔

(تفسیر کبیر اوّل صفحہ 105)

4۔ دوسروں کو نماز کی تحریک اور ترغیب

اقامۃ الصّلوٰۃ کے ایک اور معنے یہ ہیں کہ متقی دوسرے لوگوں کو نماز کی ترغیب دیتے ہیں کیونکہ کسی کام کو کھڑا کرنے کا ایک طریق یہ بھی ہے کہ اُسے رائج کیا جائے اور لوگوں کو اس کی ترغیب دلائی جائے۔ پس اقامۃ الصّلوٰۃ کے عامل متقی وہ بھی کہلائیں گے جو خود نماز پڑھنے کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی نماز کی تلقین کرتے رہتے ہیں اور جو سُست ہیں انہیں تحریک کر کے مستعد اور چُست کرتے رہتے ہیں۔

5۔ نماز باجماعت کا اہتمام

قرآن کریم نے جہاں بھی نماز کا حکم دیا نماز باجماعت کا حکم دیا ہے خالی نماز پڑھنے کا کہیں بھی حکم نہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز باجماعت اہم اصول دین میں سے ہے بلکہ قرآن کریم کے نزدیک نماز صرف تبھی ادا ہوتی ہے کہ باجماعت ادا کی جائے سوائے اس کے کہ ناقابل علاج مجبوری ہو۔ پس جو کوئی شخص بیماری یا شہر سے باہر ہونے یا نسیان یا دوسرے مسلمان کے موجود نہ ہونے کے عذر کے سوا نماز باجماعت کو ترک کرتا ہے خواہ وہ گھر پر نماز پڑھ بھی لے تو اس کی نماز نہ ہوگی اور وہ نماز کا تارک سمجھا جائے گا۔

قرآن کریم میں اصل حکم یہ ہے کہ فرض نماز کو باجماعت ادا کیا جائے اور بغیر جماعت کے نماز صرف مجبوری کے ماتحت جائز ہے جیسے کوئی کھڑے ہو کر نماز نہ پڑھ سکے تو اُسے بیٹھ کر پڑھنے کی اجازت ہے پس جس طرح کوئی کھڑا ہو کر نماز پڑھنے کی طاقت رکھتا ہو لیکن بیٹھ کر پڑھے تو یقیناً وہ گنہگار ہوگا اسی طرح جسے باجماعت نماز کا موقع مل سکتا ہو مگر وہ باجماعت نماز ادا نہ کرے تو وہ بھی

گنہگار ہوگا۔

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 105-106)

6۔ پوری توجہ، یکسوئی اور بیداری سے نماز کی ادائیگی

اقـامـة الـصَّلوٰة کے ایک معنے یہ بھی ہیں کہ نماز چستی اور ہوشیاری سے ادا کی جائے کیونکہ سُستی اور غفلت کی وجہ سے خیالات میں پراگندگی پیدا ہوتی ہے اور نماز کا مغز ہاتھ سے جاتا رہتا ہے۔

(تفسیر کبیر جلد اوّل صفحہ 106)

ایک ضروری بات

اقامۃ الصلوٰۃ کے سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ صرف خود نماز قائم کرنا کافی نہیں بلکہ نماز کو قومی عبادت کے طور پر قائم کرنا لازم ہے اور یہ سلسلہ نسل در نسل جاری رہنا چاہیئے۔ یہ بات اتنی اہم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول مقبول ﷺ کو بطور خاص ارشاد فرمایا:

و اُمُر اَھلَکَ بِا لصَّلوٰةِ وَاصطَبِر عَلَیھا

(طٰہٰ :133)

کہ تو اپنے گھر والوں کو نماز کی تلقین کرتا رہ اور اس پر ہمیشہ قائم رہ۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ اس حکم میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اپنے آپ کو محمد مصطفٰے ﷺ سے منسوب کرتا ہے اور آپ سے عشق و محبت کا دعویٰ کرتا ہے۔ نماز کے بارہ میں افرادِ خانہ کو مستقل مزاجی سے تلقین کرتے رہنا ایک ایسی ذمہ داری اور خوبی ہے جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَ کَانَ یَأْ مُرُ اَھلَہ' بِا لصَّلوٰةِ والزَّکوٰة و کَانَ عندَ رَبِّہ مَرضیاً

(مریم : 56)

کہ وہ اپنے گھر والوں کو نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا کرتا تھا اور اپنے رب کے حضور بہت ہی پسندیدہ تھا۔

اقامۃ الصلوٰۃ کا پہلو ہمیشہ مدنظر رکھنا لازم ہے کہ یہ نیک خاندان اور نیک اولاد کی ضمانت ہے۔

ایک پیاری دعا

اقامۃ الصلوٰۃ ایک ایسی عمدہ خوبی اور ایک سچے مومن کے لیئے اتنی لازمی بات ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس غرض سے جو دعا مانگی وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کو اس قدر پسند آئی کہ اس دعا کو قرآن مجید کا حصہ بنا کر ہمیشہ کے لیئے محفوظ کر دیا ہے۔ اس طرح امت مسلمہ کے ہر فرد کو یہ پیغام دیا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہیں عبادت میں مقامِ ابراہیم عطا ہو اور تم بھی مقامِ محمود پر فائز کیئے جاؤ تو لازم ہے کہ تم اس ابراہیمی دعا کو حرزِ جان بناؤ اور اقامتِ صلوٰۃ کو نہ صرف اپنی زندگیوں میں جاری کرتے رہو بلکہ اپنی اولاد در اولاد کے لیئے بھی اسی کی تمنا اور دعا کرتے رہو۔ کیا ہی پیاری دعا ہے جو ہمیں سکھائی گئی ہے:

رَبِّ اجْعَلْنِی مُقِیمَ الصَّلوٰةِوَمِنْ ذُرِّیَّتِی رَبَّنا وَتَقَبَّل دُعآءِ رَبَّنَا اغفِرْلِیْ وَلِوَالِدَی وَ لِلمُؤمِنِینَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسابُ

(ابراھیم: 42,41)

اے میرے ربّ! مجھے اور میری اولاد میں سے ہر ایک کو عمدگی سے نماز ادا کرنے والا بنا۔ اے ہمارے ربّ ہم پر فضل کر اور میری دُعا قبول فرما۔ اے میرے ربّ! جس دن حساب ہونے لگے اُس دن مجھے اور میرے والدین کو اور تمام مومنوں کو بخش دے۔

چند نکات معرفت

اقامۃ الصلوٰۃ کے تعلق میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بیان فرمودہ دو نکات معرفت پیش کرتا ہوں:

☆ قیام نماز کے لئے انسان کو لازماً کچھ قربانی کرنی پڑتی ہے۔ نفس پر کی جانے والی یہ سختی بھی موجب ثواب و برکت بن جاتی ہے۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے فرمایا:

''مخالفتِ نفس بھی ایک عبادت ہے۔ انسان سویا ہوا ہوتا ہے۔ جی چاہتا ہے کہ اور سو لے، مگر وہ مخالفتِ نفس کر کے مسجد چلا جاتا ہے تو اس مخالفت کا

بھی ایک ثواب ہے''

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 552 جدید ایڈیشن)

☆ دوسرا نکتہ یہ ہے کہ نوجوانی کی عمر میں جبکہ صحت اچھی اور جسم مضبوط ہوتا ہے، انسان کو عبادت کی طرف خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ حضرت مسیح پاک علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''اگر اُس نے (جوانی کا) یہ زمانہ خدا کی بندگی، اپنے نفس کی آراستگی اور خدا کی اطاعت میں گزارا ہوگا تو اس کا اُسے یہ پھل ملے گا کہ پیرانہ سالی میں جبکہ وہ کسی قسم کی عبادت وغیرہ کے قابل نہ رہے گا اور کسل اور کاہلی اسے لاحق حال ہو جاوے گی تو فرشتے اس کے نامہ اعمال میں وہی نماز روزہ تہجد وغیرہ لکھتے رہیں گے جو کہ وہ جوانی کے ایام میں بجالاتا تھا۔ اور یہ خدا تعالیٰ کا فضل ہوتا ہے کہ اس کی ذات پاک اپنے بندے کو معذور جان کر باوجود اس کے کہ وہ عمل بجا نہیں لاتا۔ پھر بھی وہی اعمال اس کے نام درج ہوتے رہتے ہیں۔''

(ملفوظات جلد 4، صفحہ 199 حاشیہ، جدید ایڈیشن)

قیامِ نماز کے روحانی سفر کی سات منزلیں

یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہے کہ قیام نماز کے روحانی سفر کی سات منزلیں ہیں جن سے گزرنے کے بعد ہی قیام نماز کا حق پوری طرح ادا ہوتا ہے۔ حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے اس لطیف مضمون کو بہت عمدہ رنگ میں بیان فرمایا ہے۔ میں یہ بیان آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں اس درخواست کے ساتھ کہ اسے سنتے ہوئے ذرا اس بات کا جائزہ بھی لیتے رہیں کہ ہم اس روحانی سفر کی کس منزل پر ہیں۔ کس درجہ تک پہنچ چکے ہیں اور ابھی کتنی اور منزلیں طے کرنے والی باقی ہیں۔ آپؓ فرماتے ہیں:

☆ ''سب سے پہلا درجہ جس سے اُتر کر اور کوئی درجہ نہیں، یہ ہے کہ انسان بالالتزام پانچوں وقت کی نمازیں پڑھے۔ جو مسلمان پانچ وقت کی نمازیں پڑھتا ہے اور اُس میں کبھی ناغہ نہیں کرتا وہ ایمان کا سب سے چھوٹا درجہ حاصل کرتا ہے۔

☆ دوسرا درجہ نماز کا یہ ہے کہ پانچوں نمازیں وقت پر ادا کی جائیں جب کوئی مسلمان پانچوں نمازیں وقت پر ادا کرتا ہے تو وہ ایمان کی دوسری سیڑھی پر قدم رکھ لیتا ہے۔

☆ پھر تیسرا درجہ یہ ہے کہ نماز باجماعت ادا کی جائے۔ باجماعت نماز کی ادائیگی سے انسان ایمان کی تیسری سیڑھی پر چڑھ جاتا ہے۔

☆ پھر چوتھا درجہ یہ ہے کہ انسان نماز کے مطلب کو سمجھ کر ادا کرے۔ جو شخص ترجمہ نہیں جانتا وہ ترجمہ سیکھ کر نماز پڑھے اور جو ترجمہ جانتا ہو وہ ٹھہر ٹھہر کر نماز کو ادا کرے۔ یہاں تک کہ وہ سمجھ لے کہ میں نے نماز کو کماحقّہ ادا کیا ہے۔

☆ پھر پانچواں درجہ نماز کا یہ ہے کہ انسان نماز میں پوری محویّت حاصل کرے۔ اور جس طرح غوطہ لگاتے ہیں اسی طرح وہ بھی نماز کے اندر غوطہ مارے۔ یہاں تک کہ وہ دو میں سے ایک مقام حاصل کر لے۔ یا تو یہ کہ وہ خدا کو دیکھ رہا ہو اور یا یہ کہ وہ اس یقین کے ساتھ نماز پڑھ رہا ہو کہ خدا تعالیٰ اسے دیکھ رہا ہے۔

☆ اس کے بعد چھٹا درجہ ایمان کا یہ ہے کہ نوافل پڑھے جائیں۔ یہ نوافل پڑھنے والا گویا خدا تعالیٰ کے حضور یہ ظاہر کرتا ہے کہ میں نے فرائض کو تو ادا کر دیا ہے مگر ان فرائض سے میری تسلّی نہیں ہوئی اور وہ کہتا ہے۔ اے خدا میں یہ چاہتا ہوں کہ میں اِن فرائض کے اوقات کے علاوہ بھی تیرے دربار میں حاضر ہوا کروں۔

☆ ساتواں درجہ ایمان کا یہ ہے کہ انسان نہ صرف پانچوں نمازیں اور نوافل ادا کرے بلکہ رات کو تہجد کی نماز بھی پڑھے۔ یہ وہ سات درجات ہیں جن سے نماز مکمل ہوتی ہے۔

پس ان سات درجوں کو پورا کرنا ہر شخص کے لئے ضروری ہے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نمازوں کو وقت پر ادا کیا کرے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز باجماعت ادا کیا کرے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ نماز کو سوچ سمجھ کر اور ترجمہ سیکھ کر ادا کرے۔ ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ علاوہ فرض نمازوں کے رات اور دن کے اوقات میں نوافل بھی پڑھا کرے ۔۔۔۔ پھر ہر شخص کو چاہئے کہ وہ فرائض اور نوافل اس التزام اور باقاعدگی سے ادا کرے کہ اُس کی راتیں بھی دن بن جائیں۔ اس طرح تہجد کی مناجات سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے۔ جب تک کوئی شخص اپنی نمازوں کی اس رنگ میں حفاظت نہیں کرتا اُس وقت تک اُس کا یہ اُمید کرنا کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کر لے گا، ایک وہم سے زیادہ کچھ حقیقت نہیں رکھتا''

(تفسیر کبیر جلد 6، صفحہ 135-136)

بے ذوقی کا علاج

اقامۃ الصلوٰۃ کی بات کی جائے تو کئی لوگ یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ جب نماز میں لذّت ہی محسوس نہ ہو تو ہم اس کا اہتمام کس طرح کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب مسیح پاک کی زبانِ مبارک سے سنئے۔ فرمایا:

''جب کبھی ایسی حالت ہو کہ اُنس اور ذوق جو نماز میں آتا تھا وہ جاتا رہا ہے تو چاہئے کہ تھک نہ جاوے اور بے حوصلہ ہو کر ہمّت نہ ہارے بلکہ بڑی مستعدی کے ساتھ اس گمشدہ متاع کو حاصل کرنے کی فکر کرے اور اس کا علاج ہے توبہ، استغفار، تضرّع۔ بے ذوقی سے ترکِ نماز نہ کرے بلکہ نماز کی اور کثرت کرے۔ جیسے ایک نشہ باز کو جب نشہ نہیں آتا تو وہ نشہ کو چھوڑ نہیں دیتا بلکہ جام پر جام پیتا جاتا ہے یہانتک کہ آخر اس کو لذّت اور سرور آ جاتا ہے۔ پس جس کو نماز میں بے ذوقی پیدا ہو اس کو کثرت کے ساتھ نماز پڑھنی چاہئے اور تھکنا مناسب نہیں آخر اسی بے ذوقی میں ایک ذوق پیدا ہو جاویگا۔

دیکھو پانی کے لئے کس قدر زمین کو کھودنا پڑتا ہے جو لوگ تھک جاتے ہیں وہ محروم رہ جاتے ہیں جو تھکتے نہیں وہ آخر نکال ہی لیتے ہیں۔ اس لئے اس ذوق کو حاصل کرنے کے لئے استغفار، کثرت نماز و دُعا، مستعدی، اور صبر کی ضرورت ہے۔''

(ملفوظات جلد 5 صفحہ432)

حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے نماز میں ذوق اور حضور حاصل کرنے کے لئے صرف دعا کا نسخہ ہی نہیں بتایا بلکہ دعا کے معین الفاظ بھی سکھا دیئے ہیں۔ فرماتے ہیں:

''خدا تعالیٰ سے نہایت سوز اور ایک جوش کے ساتھ یہ دعا مانگنی چاہیے کہ جس طرح پھلوں اور اشیاء کی طرح طرح کی لذتیں عطا کی ہیں۔ نماز اور عبادت کا بھی ایک بار مزہ چکھادے۔''

(ملفوظات جلد اوّل صفحہ 163)

گویا شعر کی زبان میں یہ دعا کی جائے کہ ؎

ہر روز مزے پاتا ہوں دنیا کے خدایا
اک بار عبادت کا مزا بھی تو چکھادے

پھر فرمایا کہ نماز کی ہر رکعت میں کھڑے ہو کر ان الفاظ میں دعا کیا کرو کہ:

''اے خدا تعالیٰ قادر و ذوالجلال! میں گناہ گار ہوں اور اس قدر گناہ کے زہر نے میرے دل اور رگ و ریشہ میں اثر کیا ہے کہ مجھے رقت اور حضورِ نماز حاصل نہیں۔ تُو اپنے فضل و کرم سے میرے گناہ بخش اور میری تقصیرات معاف کر اور میرے دل کو نرم کردے اور میرے دل میں اپنی عظمت اور اپنا خوف اور اپنی محبت بٹھادے تا کہ اس کے ذریعہ سے میری سخت دلی دور ہو کر حضورِ نماز میں میّسر آوے''

(فتاویٰ مسیح موعود ،صفحہ 37، مطبوعہ 1935)

پھر حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان الفاظ میں دعا کرنی چاہئے کہ:

''اے اللہ تو مجھے دیکھتا ہے کہ میں کیسا اندھا اور نابینا ہوں اور میں اس وقت بالکل مردہ حالت میں ہوں۔ میں جانتا ہوں کہ تھوڑی دیر کے بعد مجھے آواز آئے گی تو میں تیری طرف آجاؤں گا۔ اس وقت مجھے کوئی روک نہ سکے گا لیکن میرا دل اندھا اور ناشناسا ہے۔ تو ایسا شعلہ نور اس پر نازل کر کہ تیرا انس اور شوق اس میں پیدا ہو جائے۔ تو ایسا فضل کر کہ میں نابینا نہ اٹھوں اور اندھوں میں نہ جاملوں۔''

فرمایا:

''جب اس قسم کی دعا مانگے گا اور اس پر دوام اختیار کرے گا تو وہ دیکھے گا کہ ایک وقت اس پر ایسا آئے گا کہ اس بے ذوقی کی نماز میں ایک چیز آسمان سے اس پر گرے گی جو رقت پیدا کردے گی۔''

(ملفوظات جلد دوم صفحہ 616 جدید ایڈیشن)

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کے ارشادات

سیدنا حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے منصبِ خلافت پر فائز ہونے کے اولین مرحلہ سے دعا، عبادات اور خاص طور پر اقامۃ الصلوٰۃ کی طرف بار بار توجہ دلائی ہے۔ بطور یاد دہانی حضور کے دو ارشادات پیش کرتا ہوں۔

فرمایا:

’’اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور ایسی عبادت کرو جو اس کا حق ہے، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ نمازوں کے اوقات میں جیسا کہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے، پوری توجہ نمازوں کی طرف رکھو۔ تمہارے کام یا تمہارے دوسرے عذر تمہیں نمازیں پڑھنے سے نہ روکیں۔ کام کی خاطر نماز کو نہ چھوڑو بلکہ نماز کی خاطر کام چھوڑو۔ ورنہ یہ بھی ایک قسم کا مخفی شرک ہے۔ کیونکہ اگر کام کی خاطر نماز چھوڑو گے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارے نزدیک دنیاوی کام تمہارے خدا کی عبادت کرنے سے زیادہ اہم ہیں‘‘

(خطبہ جمعہ فرمودہ 29 / اپریل 2005)

پھر حضور فرماتے ہیں:

’’ہر وہ انسان جو اللہ تعالیٰ کا عبادت گزار بندہ بننا چاہتا ہے، اس کا قرب حاصل کرنا چاہتا ہے، اپنے آپ کو اور اپنی نسلوں کو پاک رکھنا چاہتا ہے، شیطان کے حملوں سے بچنا چاہتا ہے تو اس کے لئے ایک ہی ذریعہ ہے کہ عبادت کی طرف توجہ دے اور اس کے لئے سب سے ضروری چیز نماز باجماعت کی ادائیگی ہے‘‘

(الفضل انٹرنیشنل لندن 28 جنوری 2005)

اقامۃ الصّلوٰۃ میں اسوۂ نبویؐ

اقامۃ الصلوٰۃ کے بارہ میں اوامر اور تفاصیل سے ہم نے کسی حد تک آگاہی حاصل کی۔ آیئے اب ذرا دیکھیں کہ عملی دنیا میں اقامت صلوٰۃ کے کون سے پاکیزہ نمونے ہیں جو ہمیں دعوتِ عمل دیتے ہیں۔ خالق کائنات، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جس ذات کو سب جہانوں اور سب زمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ قرار دیا وہ ہمارے آقا و مولیٰ (فداہ ابی و امی)، محمد مصطفیٰ ﷺ کا وجود باجود ہے۔ آپؐ نے اقامۃ الصلوٰۃ کا حق ایسے خوبصورت رنگ میں ادا فرمایا کہ ایک طرف خدا تعالیٰ نے گواہی دی کہ آپؐ کی نمازیں، آپ کی عبادتیں اور جینا اور مرنا سب کا سب اللہ کی خاطر ہے جو سب جہانوں کا رب ہے اور دوسری طرف آپ کے مخالفین نے برملا اقرار کیا کہ عَشِقَ مُحَمَّد رَبَّه کہ یہ محمد تو دل و جان سے اپنے رب کا عاشق ہو گیا ہے! رسول پاک ﷺ نے خود فرمایا کہ اے لوگو! مجھے تمہاری دنیا میں سے تین چیزیں بہت پسند ہیں لیکن میں تمہیں بتاتا ہوں کہ قرۃ عینی فی الصلاۃ کہ میری آنکھوں کی حقیقی ٹھنڈک اور راحت نماز کی ادائیگی میں ہے۔

اقامۃ الصلوٰۃ میں آپ کا اسوۂ کامل ساری زندگی پر پھیلا پڑا ہے۔ نماز باجماعت کا سلسلہ آغازِ اسلام سے شروع ہو گیا اور پھر ساری زندگی سفر و حضر، بیماری و صحت، حالتِ جنگ ہو یا امن، ہر حال میں اس فریضہ میں ہرگز کوئی کوتاہی نہ آنے دی۔ سفر کے دوران نماز کا وقت آنے پر قافلہ روک کر باجماعت قصر اور جمع کر کے ادا کرتے۔ بارش کی صورت میں بعض دفعہ سواری کے اوپر بھی آپ نے نماز ادا فرمائی اور کسی عذر کو حائل نہ ہونے دیا۔

ایک دفعہ گھوڑے سے گرنے کی وجہ سے شدید زخمی ہو گئے۔ کھڑے ہو کر نماز ادا کرنا ممکن نہ تھا لیکن آپ نے نماز باجماعت میں ناغہ کرنا پسند نہ فرمایا اور بیٹھ کر نماز پڑھائی۔ (بخاری) غزوۂ بدر کے موقع پر جو دعائیں آپ نے ایک چھوٹے سے خیمہ میں کیں ان کی یاد آج بھی دلوں کو گرماتی ہے۔ وارفتگی کا یہ عالم تھا کہ کندھے سے چادر بار بار نیچے گر جاتی لیکن خدائے واحد کا پرستار ان سب باتوں سے بے نیاز اپنی مناجات میں مصروف رہا۔ غزوۂ احد میں آپ خود زخموں سے نڈھال تھے اور ستر صحابہ کی شہادت کا غم بھی تھا لیکن آپ نے اس روز بھی معمول کے مطابق نماز باجماعت ادا فرمائی۔ غزوۂ احزاب میں جنگی مصروفیت کی وجہ سے نماز ظہر و عصر وقت پر ادا نہ ہو سکیں اور سورج غروب ہو گیا تو اقامۃ الصلوٰۃ کی غیر معمولی محبت کی وجہ سے بے اختیار آپؐ کی زبان مبارک سے یہ اظہار ہوا کہ خدا ان دشمنوں کو غارت کرے جن کی وجہ سے ہماری نمازوں میں تاخیر ہوئی۔

(بخاری، کتاب المغازی باب غزوۃ الاحزاب)

اقامۃ الصلوٰۃ کا ایک پہلو نمازوں میں خشوع و خضوع ہے۔ سرور کائنات محمد مصطفیٰ ﷺ کی نمازوں میں یہ شان اپنے معراج پر تھی۔ ذرا چشم تصور سے اس نوجوان کو دیکھئے جو دنیا کی چکاچوند اور لطف و سرور کو پیچھے چھوڑ کر غار حرا کی تنہائیوں میں تن تنہا عبادت سے اپنے دل کو شاد کام کرتا۔ رات کے اندھیروں میں روحانیت کی شمعیں فروزاں کرتا اور اپنی جان کو ہلکان کر دیتا تھا۔ کسی نے

حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ رسول خدا ﷺ کی نمازوں کی کیفیت تو بتایئے۔آپ کا جواب تھا کہ:

لا تسئل عن حُسنِهِنّ و طُولِهِنّ

(بخاری کتاب الجمعة باب قیام النبی باللیل فی رمضان)

کہ ان نمازوں کے حسن اورطوالت کو بیان کرنے کے لئے میں مناسب الفاظ کہاں سے لاؤں۔آپ نمازوں میں اتنا لمبا قیام فرماتے کہ آپ کے مبارک قدم متورم ہوجاتے۔کسی نے آرام کا مشورہ دیا تو فرمایا: کیا میں اپنے رب کا شکرگزار بندہ نہ بنوں؟ آپ کے سجدوں کا حال بھی سن لیجئے۔راوی بیان کرتے ہیں کہ سجدہ کی حالت میں آپ کی گریہ وزاری کا یہ عالم ہوتا کہ جیسے چولہے پر رکھی ہوئی ہنڈیا ابل رہی ہو یا چکی کے دو پاٹ آپس میں رگڑ کھارہے ہوں۔اس کیفیت کا سوچ کر جسم پر کپکپی طاری ہوجاتی ہے اور بے اختیار یہ دعا دل سے اٹھتی ہے

جو زاریاں تھیں تیرے محمدؐ کی دعا میں
بس ان کی جھلک سی میرے سجدوں کو عطا ہو

حضرت عائشہ صدیقہؓ بیان فرماتی ہیں کہ ایک رات میری آنکھ کھلی تو آپ کو بستر پر نہ پایا۔خیال ہوا کہ شاید کسی اور بیوی کے ہاں گئے ہیں۔اندھیرے میں ادھر ادھر ٹٹولا تو معلوم ہوا کہ آپ آرام دہ بستر چھوڑ کر قریب ہی زمین پر سجدہ ریز ہیں اوردعا میں مصروف ہیں۔آپ فرماتی ہیں کہ یہ دیکھ کر مجھے اپنے آپ پر افسوس ہوا اور میں نے دل میں کہا عائشہ! تم کس خیال میں ہو اور خدا کے رسول کو دیکھو وہ کس عالم میں ہے

(نسائی، کتاب عشرة النساء، باب الغيرة)

ایک روایت میں ہے کہ آپؐ کو ایک قریبی قبرستان میں رات کی تاریکی میں سجدہ ریز پایا۔

حضرت عائشہؓ ایک اور واقعہ بیان کرتی ہیں کہ آنحضرت ﷺ ایک رات میرے ہاں تشریف لائے۔موسم سرما کی سرد رات میں جب آپؐ لحاف میں داخل ہوئے تو فرمایا عائشہ! کیا تم مجھے اجازت دوگی کہ میں یہ رات اپنے رب کی عبادت میں گزاروں۔ میں نے عرض کیا یارسول اللہ! مجھے تو آپ کی خوشنودی مقصود ہے۔ میں خوشی سے اجازت دیتی ہوں، چنانچہ آپؐ اسی وقت اٹھ کھڑے ہوئے، وضو کیا اور نماز پڑھنے لگ گئے۔اور آپؐ نے وہ ساری رات نماز اور گریہ وزاری میں گزاردی حتی کہ آپ کی سجدہ گاہ آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

(سیوطی، الدر المنثورفی تفسیر الماثور جلد 9 صفحہ 27 ،بیروت)

نماز کے بارہ میں رسول پاک ﷺ کے تعہد اور شوق کا یہ عالم تھا کہ آخری بیماری میں آپؐ شدید بخار میں مبتلا تھے اور غشی کا عالم تھا۔گھبراہٹ کے عالم میں بار بار دریافت فرماتے کہ کیا نماز کا وقت ہوگیا ہے؟ بتایا گیا کہ مسجد میں صحابہ آپ کے منتظر ہیں۔بخار کی شدت کم کرنے کے لئے جسم پر پانی ڈلوایا۔مسجد جانے کے لئے اٹھے تو پھر غشی طاری ہوگئی۔ہوش آنے پر پھر نماز کا پوچھا۔بتایا گیا کہ صحابہ انتظار میں بیٹھے ہیں۔پھر جسم پر پانی ڈلوایا۔بخار ذرا کم ہوا لیکن پھر غشی طاری ہوگئی۔بعد میں جب ذرا افاقہ ہوا تو دو صحابہ کے کندھوں پر ہاتھ رکھے ہوئے اس حال میں مسجد کے لئے روانہ ہوئے کہ پاؤں زمین پر گھسٹتے جارہے تھے۔آپؐ نے حضرت ابوبکرؓ کے پہلو میں بیٹھ کر نماز پڑھائی اور اقامۃ الصلوٰۃ کا وہ نمونہ قائم فرمایا جو تا ابد عدیم المثال رہے گا۔

اقامۃ الصّلوٰۃ میں مسیح پاکؑ کا نمونہ

آیئے اب چند واقعات کی روشنی میں حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی حیات طیبہ میں اقامت صلوٰۃ کی کیفیات کا مطالعہ کریں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی سیرت کا سب سے جلی عنوان محبت الٰہی ہے۔آپ کی ساری زندگی اس محبت میں فنا تھی اور عبادت اور نماز کا اہتمام آپ کی روح کی غذا تھا۔ساری زندگی نماز باجماعت کا بے مثال اہتمام رہا۔عنفوانِ شباب میں آپ کو مسیتڑ کہا جاتا تھا یعنی وہ شخص جس کا زیادہ وقت مسجد میں عبادت کرتے گزرتا تھا۔حضرت پیر سراج الحق نعمانی صاحب لکھتے ہیں کہ میں 1882 سے حضرت اقدسؑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔تب سے وفات کے کچھ ماہ پیشتر تک حاضر خدمت رہا۔ ہمیشہ نماز باجماعت کا حضرت کو پابند پایا۔

(تذکرة المهدی صفحه 70)

حضرت مفتی محمد صادق صاحب کی روایت ہے کہ وفات سے دو تین سال قبل جب کبھی حضور نماز مغرب وعشاء کے واسطے باہر تشریف نہ لاسکتے تو گھر کے اندر عورتوں اور بچوں کو جمع کر کے نماز باجماعت ادا فرماتے۔(تقریر جلسہ سالانہ 1930) بہت ابتدائی زمانہ میں حضرت صاحب نے حافظ معین الدین

صاحب کو محض اس غرض سے اپنے ساتھ رکھا ہوا تھا کہ اس طرح نماز باجماعت کا موقع مل جاتا ہے۔ مقدمات کی پیروی کے دوران بھی آپ نے کبھی کوئی نماز قضا نہیں ہونے دی۔ عدالت سے اجازت لے کر نمازیں بروقت ادا کرتے۔

آپ کے صحابہ کرام نے حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی نمازوں کا خوب نقشہ بیان کیا ہے۔ حضرت حافظ حامد علی صاحب کی روایت ہے کہ حضور غیر معمولی انہماک اور توجہ سے نماز ادا فرماتے۔ **اھدنا الصراط المستقیم** کے الفاظ کا بہت تکرار کرتے اور سجدہ میں **یا حی یا قیوم برحمتک استغیث** کا بہت اعادہ کرتے۔ بار بار یہی الفاظ بولتے جیسے کوئی بڑے الحاح اور زاری سے کسی بڑے سے کوئی شے مانگے اور بار بار روتے ہوئے اپنی مطلوبہ چیز کو دوہرائے ایسا ہی حضرت صاحب کرتے۔ سجدہ بالعموم بہت لمبا ہوتا اور بعض دفعہ ایسا معلوم ہوتا کہ اس گریہ وزاری میں آپ پگھل کر بہہ جائیں گے۔

حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی نماز اور دعا کی کیفیت کا ایک اظہار حضرت مولوی عبدالکریم صاحب سیالکوٹیؓ کی روایت میں ملتا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ جن دنوں پنجاب میں طاعون کا زور تھا اور لوگ کثرت سے اس مرض کا شکار ہو رہے تھے۔ یہ وہ طاعون تھی جو آپ کی صداقت کے نشان کے طور پر ظاہر ہوئی تھی لیکن آپ بنی نوع انسان کی ہمدردی کے جذبہ سے ان کے لئے دعاؤں میں مصروف تھے۔ جس انداز میں آپ یہ دعائیں کر رہے تھے اسے دیکھ کر آپ حیرت میں ڈوب گئے۔ حضرت مولوی عبدالکریم صاحبؓ کے الفاظ ہیں:

''اس دعا میں آپؑ کی آواز میں اس قدر درد اور سوزش تھی کہ سننے والے کا پتہ پانی ہوتا تھا اور آپؑ اس طرح آستانہ الٰہی پر گریہ وزاری کر رہے تھے کہ جیسے کوئی عورت دردِزہ سے بے قرار ہو۔ میں نے غور سے سنا تو آپ مخلوقِ خدا کے واسطے طاعون کے عذاب سے نجات کے لئے دعا فرما رہے تھے اور کہہ رہے تھے کہ الٰہی اگر یہ لوگ طاعون کے عذاب سے ہلاک ہو گئے تو پھر تیری عبادت کون کرے گا؟''

(سیرت مسیح موعود، حصہ سوم صفحہ ۳۹۵)

نماز تہجد کی خلوت کے علاوہ دن کے وقت بھی عموماً آپ ایک وقت بالکل علیحدگی میں عبادت میں گزارتے۔ آخری سالوں میں جب آپ نے بیت الدعا بنوایا تو اسے اندر سے بند کر کے دو گھنٹے کے قریب بالکل علیحدگی میں مصروفِ عبادت رہا کرتے تھے۔ بسا اوقات تلاشِ خلوت میں باہر چلے جایا کرتے اور علیحدگی میں بیٹھ کر عبادتِ الٰہی کرتے۔

اقامۃ الصلوٰۃ کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ نماز کے وقت نماز کو ہر دوسرے کام پر مقدم کیا جائے اسکی ایک خوبصورت مثال حضرت مسیح پاک علیہ السلام کی زندگی سے عرض کرتا ہوں۔ حضرت اماں جان رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ خود حضرت مسیح پاک علیہ السلام نے ان سے ذکر فرمایا کہ:

''ایک دفعہ میں کسی مقدمہ کی پیروی کے لئے گیا۔ عدالت میں اور اور مقدمے ہوتے رہے اور میں باہر ایک درخت کے نیچے انتظار کرتا رہا۔ چونکہ نماز کا وقت ہو گیا تھا اس لئے میں نے وہیں نماز پڑھنا شروع کر دی۔ مگر نماز کے دوران میں ہی عدالت سے مجھے آوازیں پڑنی شروع ہو گئیں مگر میں نماز پڑھتا رہا۔ جب میں نماز سے فارغ ہوا تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس عدالت کا بہرا کھڑا ہے۔ سلام پھیرتے ہی اس نے مجھے کہا مرزا صاحب مبارک ہو۔ آپ مقدمہ جیت گئے ہیں''

(سیرۃ المھدی جلد اوّل صفحہ 15)

سخت تکلیف اور بیماری کی حالت میں بھی آپؑ نے ہمیشہ اقامۃ الصلوٰۃ کا اہتمام کیا۔ اس کی ایک مثال ذکر کرتا ہوں۔ ایک عیسائی کی کتاب کے جواب میں آپ کتاب ''نور الحق'' تصنیف فرما رہے تھے۔ ابھی چار پانچ صفحات ہی لکھے تھے کہ حضرت اقدس کو دوران سر کی سخت تکلیف لاحق ہو گئی۔ تکلیف اتنی زیادہ تھی کہ آپ تین روز تک نماز کے لئے مسجد نہ آ سکے۔ چوتھے روز ذرا افاقہ ہوا تو فجر کی نماز پر تشریف لے آئے اور بمشکل بیٹھ کر نماز جماعت کے ساتھ ادا کی۔ اس وقت بیماری کی یہ حالت تھی کہ حضرت اقدسؑ پسینہ میں غرق تھے اور ضعف اس قدر تھا کہ بعد نماز حضرت اقدسؑ مزید بیٹھ بھی نہ سکے اور وہیں مسجد میں لیٹ گئے۔

(تذکرۃ المھدی صفحہ 49,48)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا اقامۃ الصلوٰۃ کا اس قدر اہتمام قدم قدم پر رسول پاک ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی یاد دلاتا ہے اور روح وجد کرنے لگتی ہے یہ دیکھ کر کہ کس طرح یہ غلامِ صادق، آقائے نامدار ﷺ کے نقوشِ پا کی قدم بقدم پیروی کرتا ہے اور دوسری طرف خود اس کے دل کی حالت یہ ہے کہ اپنی بساط کی آخری حد تک عبادت بجا لانے کے بعد بھی دل میں شرمساری اور ندامت محسوس کرتا ہے۔ ذرا یہ واقعہ ملاحظہ ہو کہ ایک دفعہ حضرت مسیح پاک

علیہ السلام کے زمانہ میں کسی غیر مسلم کے مکان میں شادی کی تقریب پر ایک رقاصہ منگوائی گئی جو رات بھر گاتی اور ناچتی رہی۔ آپؑ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے دریافت کروایا کہ ذرا معلوم تو کرو کہ اس بیچاری کو رات بھر کا کیا ملا۔ معلوم ہوا کہ صرف پانچ روپے۔ صبح حضرت مسیح پاک علیہ السلام اپنے صحابہ میں تشریف لائے تو فرمایا:

''میں تو رات بھر شرمندہ ہوتا رہا کہ یہ عورت صرف پانچ روپوں کی خاطر کتنی محنت کر رہی ہے؟ ہم اپنے محسن و مربی، اللہ تعالیٰ سے ہزار در ہزار بلکہ لاتعداد اور لاانتہا تحفے اور انعام پا کر بھی اتنی محنت نہیں کرتے! اسی طرح میں جب رات کو چوکیدار کی آواز سنتا ہوں تو شرمندہ ہو جاتا ہوں کہ چار پانچ روپے ماہانہ پا کر یہ رات بھر پہرہ دیتا ہے۔ چھوٹی راتوں میں بھی آرام نہیں کرتا۔ سردی، بارش کی پرواہ نہیں کرتا۔ ہم اس کے بالمقابل کس قدر غافل سوتے ہیں۔ انسان خود ہی اپنے دل میں انصاف کرے''

(الفضل 16 اگست 1998)

اس مبارک وجود کی زندگی کا آخری کام نماز تھا۔ آخری لحات میں آپ کو بہت زیادہ ضعف ہو گیا تھا۔ حضرت مرزا بشیر احمد صاحبؓ ان لحات کی کیفیت بیان کرتے ہیں۔ فرمایا:

''صبح کی نماز کا وقت ہوا تو۔۔۔ نحیف آواز میں دریافت فرمایا: کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے؟ ایک خادم نے عرض کیا ہاں حضور ہو گیا ہے اس پر آپ نے بستر کے ساتھ دونوں ہاتھ تیمم کے رنگ میں چھو کر لیٹے لیٹے ہی نماز کی نیت باندھی مگر اسی دوران میں بیہوشی کی حالت ہو گئی۔ جب ذرا ہوش آیا تو پھر پوچھا '' کیا نماز کا وقت ہو گیا ہے'' عرض کیا گیا ہاں حضور ہو گیا ہے پھر دوبارہ نیت باندھی اور لیٹے لیٹے نماز ادا کی۔''

(سلسلہ احمدیہ صفحہ 182)

آپ نے آقائے نامدار ﷺ اور آپؐ کے غلامِ صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اقامۃ الصلوٰۃ کی ایک مختصر جھلک دیکھی۔ یہ موقع ہے کہ ہم سب ایک لمحہ کے لئے ٹھہر کر، پوری دیانت داری کے ساتھ اپنے اپنے نفسوں کا محاسبہ کریں اور غور کریں کہ خدائے بزرگ و برتر کی ان برگزیدہ مغفور اور معصوم ہستیوں کے قیام نماز کی اگر یہ کیفیت تھی تو ہم گناہ گار اور خطاؤں کے پتلے انسانوں کو اس میدان میں کتنا مستعد اور فعال ہونے کی ضرورت ہے۔ ہمارے سر تو گناہوں کے بوجھ سے جھکے ہوئے ہیں اور نماز جو ان گناہوں کی مغفرت اور خدا تعالیٰ کی رحمت کو جذب کرنے کا ذریعہ ہے ہم نے اس وسیلہ کو کس حد تک اختیار کیا ہے۔ اپنے نفسوں میں جھانکنے کا موقع ہے۔ اپنے نفسوں کو ٹٹولنے کا وقت ہے۔ خدا کرے کہ ہمارے ضمیر جاگ اٹھیں اور ہماری زندگیوں میں ایک نیک اور پاکیزہ انقلاب برپا ہونے لگ جائے۔

یہ نکتہ خاص طور پر یاد رکھنے کے لائق ہے کہ نظام خلافت اور اقامت صلوٰۃ کا ایک خاص تعلق ہے۔ آیت استخلاف میں اللہ تعالیٰ نے یعبدوننی لایشرکون بی شیئاً کہہ کر مومنوں سے یہ وعدہ فرمایا ہے کہ خلافت کی برکت سے وہ اپنی عبادات کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کی خاطر بجالانے والے ہوں گے۔ جماعتِ مومنین خلافت کے زیر سایہ عبادت گزاروں کی جماعت بن جائے گی اور اس کا ہر فرد اقامت صلوٰۃ کے خدائی حکم پر مثالی رنگ میں عمل پیرا ہو گا۔ اسی کے نتیجہ میں ان کو خالص توحید پر قائم ہونے کا انعام حاصل ہو گا۔

آج خدا نے خلافت کا تاج جماعت احمدیہ کے سر پر رکھا ہے اور ہم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس انعام سے نوازا ہے۔ آج ہم تاریخ احمدیت کے اس اہم موڑ پر کھڑے ہیں جبکہ خلافتِ احمدیہ کا سوواں سال گزر رہا ہے اور خلافت احمدیہ کی جوبلی کا سورج جماعت پر طلوع ہونے والا ہے۔ پس اے خلافت کے متوالو اور جانثارو! آؤ کہ ہم اس نعمتِ خداوندی کا شکر اور خلافتِ احمدیہ سے اپنی وابستگی، عقیدت اور اطاعت کا اظہار اس طور پر کریں کہ آج یہ عزم اور پختہ ارادہ کر کے اس مجلس سے اٹھیں کہ ہم اقامتِ صلوٰۃ کے خدائی فرمان کو اپنے اوپر اس طرح وارد کر لیں گے کہ اس کا ہر مفہوم ہم سب پر پوری طرح صادق آئے۔ نماز ہماری روح کی غذا بن جائے۔ نماز ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہو جائے۔ اور نماز ہی سے ہمارے دلوں کو حقیقی سرور حاصل ہو۔ خدا کرے کہ ہم اس عہد پر سچے دل اور پختہ عزم اور حقیقی وفا کے ساتھ کچھ اس طرح قائم ہو جائیں کہ ہماری ہر نماز اقامت صلوٰۃ کے سب معیاروں پر پوری اترنے والی ہو۔ ہم زندہ اور زندگی بخش نمازوں کے ساتھ زندہ رہیں اور ایسی ہی مقبول نمازیں ادا کرتے کرتے ہم اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کرنے والے ہوں۔ آمین۔

****

”جس نے مجھے دیکھا اُس نے خدا کو دیکھ لیا“

(حدیث نبویؐ)

محمد ظفراللہ خان

برتر از وہم و گماں ہے عاشقوں کا کاروبار
لاکھ ہوں دنیا میں کام ان کو مگر دل محوِ یار

تجھ کو اک کانٹا چبھے ہر پل رُلاوے زار زار
عاشقِ حسنِ ازل کی راہ ساری خار زار

پائے استقلال ہے راہِ وفا میں گامزن
اور رگِ جاں میں ہے یادِ یار ہر دم موجزن

جو رضائے ذاتِ باری پر سبھی کچھ وار دیں
بچہ و زن اُن پہ آخر بوجھ کس طرح بنیں

خانہ زادِ زُلف زنجیروں میں بھی محوِ نگار
وصل میں ہر خار گُل ہو اور گُل ہجراں میں خار

ہو گئے وہ عظمتِ مولیٰ میں اسطرح فنا
غرقہء دریائے وحدت ہو گئے وہ باوفا

عاشقانِ ایزدی اپنے نفس سے ہیں جدا
ہیں ملائک کی طرح وہ تابع حکم خدا

اُن کی سب سختی و نرمی ہے خدا کے اذن سے
اُن کی ہرخواہش ہے ذاتِ کبریا کے اذن سے

فانیٔ عشقِ احد کی ذات میں حق کا جمال
جس کے پرتو سے ہیں روشن اسکے روحانی کمال

شیشہء اعمال میں ظاہر ہوئی جب خوئے حق
چشمہء صافی بنا اک جگمگاتی جوئے حق

مہر اُسکا رحمتِ حق بن کے پیاسوں پر گرا
قہر اُسکا دو جہاں میں ہو گیا قہرِ خدا

اِس سے سمجھو اب زمانے میں مقامِ انبیاء
واصلانِ لم یزل ہیں دُور تر از ماسوا

آلۂ تقدیرِ ربّانی ہیں اس عالم میں وہ
نورِ حق در جسمِ انسانی ہیں اس عالم میں وہ

ہو گئے یوں حضرت عزّت کے پہلو میں نہاں
ایک قطرہ جس طرح بر سطحِ بحرِ بیکراں

جب ہوئے وہ رنگِ محبوبی میں گُم دُنیا سے دُور
ہو گیا سایہ فگن اُن پر اُلوہیت کا نور

اُن کی قدرومنزلت سے تجھ کو آگاہی نہیں
ہر کس وناکس پہ اُنکا راز کھلتا ہی نہیں

روئے حق کا سب سے افضل آئینہ ہے مصطفیٰؐ
خوئے حق کی ایک کامل جلوہ گاہ ہے مصطفیٰؐ

طالبِ حُسنِ ازل اُس در پہ جا کر دیکھ لے
'مَن رانی فقد رای الحق' آزما کر دیکھ لے

کورچشموں کے لئے سُرمہ ہے اُسؐ کی خاکِ پا
دیدۂ بینا کو اک شمس الضُحیٰ ہے مصطفیٰ

جادۂ عشق ووفا میں جس سے قدموں کو ثبات
اُسکےؐ دَر پہ آج بھی بٹتا ہے وہ آبِ حیات

ہے اُسیؐ کے نور سے روشن یہ بزمِ اصفیاء
سب اُسیؐ گردوں کے تارے اولیاء وانبیاء

کیا خبر اُس دل کو جس پر غفلتوں کی مُہر ہو
موجزن جس کی رگوں میں نفرتوں کا زہر ہو

اے عدُوئے مصطفیٰؐ کھا اپنی حالت پر رحم
شاہ دیںؐ کی شان تیری لاف سے ہوگی نہ کم

اُسکیؐ عزت کا نگہ باں خود جنابِ کبریا
جس کے سر پر ہو خدا کا ہاتھ اُس کو فکر کیا

برتر از صد آسماں شانِ محمد مصطفیٰؐ
بس نہاں اندر نہاں شانِ محمد مصطفیٰؐ

نیّرِ حق کی چمک کی تاب لا سکتی نہیں
دیدۂ بینا بھی اُسکیؐ کُنہ پا سکتی نہیں

مہرِ بطحاؐ کی ضیاء کونین میں ہے تا ابد
جس کے دم سے پارہ پارہ پردۂ چشمِ حسد

تو کہ شاہ دیںؐ کی سچّائی پہ رکھتا ہے حرف
اِک نظر ڈال اب غلامانِ محمدؐ کی طرف

اب مسیحِ مصطفیٰؐ مامور ہے اِس فرض پر
تا دکھاوے صد نشانِ صدقِ آں بارِدگر

شمسِ مُلکِ الحُسنِ والاحسان احمد مجتبیٰؐ
نورِ ہر مُرسل طُفیلِ جانِ احمد مجتبیٰؐ

'ہراک نیکی کی جڑ یہ اتقاء ہے'

(حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام)

حنا اوصاف، آسٹن

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ○

(الحشر 19:59)

اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر جان یہ نظر رکھے کہ وہ کل کے لئے کیا آگے بھیج رہی ہے اور اللہ کا تقویٰ اختیار کرو یقیناً اللہ اس سے جو تم کرتے ہو ہمیشہ باخبر رہتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام فرماتے ہیں کہ:

''اے ایمان والو خدا سے ڈرتے رہو اور ہر ایک تم میں سے دیکھتا رہے کہ میں نے اگلے جہان میں کونسا مال بھیجا ہے اور اس خدا سے ڈرو جو خبیر اور علیم ہے اور تمہارے اعمال دیکھ رہا ہے یعنی وہ خوب جاننے والا اور پرکھنے والا ہے۔ اس لئے وہ تمہارے اعمال ہرگز قبول نہیں کرے گا اور جنہوں نے کھوٹے کام کئے انہی کاموں نے ان کے دل پر زنگار چڑھا دیا سو وہ خدا کو ہرگز نہیں دیکھیں گے۔''

(ست بچن، روحانی خزائن جلد 10 صفحہ 225)

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:

''تقویٰ اللہ اختیار کرو اور ہر ایک جی کو چاہیئے کہ بڑی توجہ سے دیکھ لے کہ کل کے لئے کیا کیا۔ جو کام ہم کرتے ہیں ان کے نتائج ہماری مقدرت سے باہر چلے جاتے ہیں۔ اس لئے جو کام اللہ کیلئے نہ ہوگا تو وہ سخت نقصان کا باعث ہوگا لیکن جو اللہ کیلئے ہے تو وہ ہمہ وقت اور غیب دان خدا جو ہر قسم کی طاقت اور قدرت رکھتا ہے۔ اُس کو مفید اور مثمر ثمراتِ حسنہ بنا دیتا ہے۔''

(حقائق الفرقان جلد 4 صفحہ 66)

پھر آپ نے فرمایا کہ:

''اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرو اور ہر نفس کو چاہیئے کہ دیکھتا رہے کل کیلئے اس نے کیا کیا اور تقویٰ اپنا شعار بنائے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس سے خوب آگاہ ہے۔''

(حقائق الفرقان جلد 4 صفحہ 66)

غرض دنیا و عقبیٰ میں کامیابی کا ایک گُر بتایا کہ انسان کل کی فکر آج کرے اور اپنے ہر قول و فعل میں یہ یاد رکھے کہ خدا تعالیٰ میرے کاموں سے خبردار ہے۔ یہ تقویٰ اور ہر نیکی کی جڑ ہے اور یہ ہی ہر کامیابی کی روحِ رواں ہے۔ برخلاف اس کے انجیل کی یہ تعلیم ہے جو (متی باب 4 آیت 33 میں مذکور ھے) بایں الفاظ کہ:

''کل کیلئے فکر نہ کرو کیونکہ کل کا دن اپنے لئے آپ فکر کرے گا آج کا دکھ آج کیلئے کافی ہے۔''

اگر ان دونوں تعلیموں پر غور کریں تو صرف اسی ایک مسئلہ سے اسلام و عیسائیت کی صداقت کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ ایک نیک دل پارسا طالبِ نجات، طالبِ حق خوب سمجھ لیتا ہے کہ عملی زندگی کے اعتبار سے کون سا مذہب احق بالقبول ہے۔ اگر انجیل کی اس آیت پر ہم کیا' خود انجیل کے ماننے والے عیسائی بھی عمل کریں تو دنیا کی تمام ترقیاں رُک جائیں اور تمام کاروبار بند ہو جائیں نہ تو بجٹ بنیں نہ ان کے مطابق عمل درآمد ہو۔ نہ ریل گاڑیوں اور جہازوں کے پروگرام پہلے شائع ہوں۔ نہ کسی تجارتی کارخانے کو اشتہار دینے کا موقعہ ملے۔ نہ کسی گھر

میں کھانے کی کوئی چیز پائی جائے اور نہ غالباً بازاروں سے مل سکے کیونکہ کل کی تو فکر ہی نہیں بلکہ فکر کرنا گناہ ہے۔ برخلاف اس کے قرآن مجید کی تعلیم کیا پاک اور عملی زندگی میں کام آنے والی ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ عیسائیوں کا اپنا عمل درآمد بھی اسی آیت پر ہے۔ ورنہ آج ہی سے سب کاروبار بند ہو جائیں اور کوئی نظامِ سلطنت قائم نہ رہے۔ قرآن پاک کی تعلیم وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّاقَدَّمَتْ لِغَدٍ پر عمل کرنے سے انسان نہ صرف دنیا میں کامران ہوتا ہے بلکہ عقبیٰ میں بھی خدا کے فضل سے سرخرو ہوگا۔ ہم کبھی آخرت کے لئے سرمایہء نجات جمع نہیں کر سکتے جب تک آج ہی سے اس دارالقرار کے لئے تیاری نہ شروع کر دیں۔

چاہیئے کہ ہر ایک نفس دیکھ لے کہ اس نے کل کے واسطے کیا تیاری کی ہے۔ انسان کے ساتھ ایک نفس لگا ہؤا ہے جو ہر وقت مبدّل ہے کیونکہ جسم انسانی ہر وقت تحلیل ہو رہا ہے۔ جب اس نفس کے واسطے جو ہر وقت تحلیل ہو رہا ہے اور اس کے ذرّات جدا ہوتے جاتے ہیں۔ اس قدر تیاری اس نفس کے واسطے ہونی چاہیئے جس کے ذمہ موت کے بعد کی جواب دہی لازم ہے۔ اس آنی فانی والے جسم کے واسطے جتنا فکر کیا جاتا ہے کاش کہ اتنا فکر اس کے نفس کے واسطے کیا جاوے جو کہ جواب دہی کرنے والا ہے۔

اِنَّ اللّٰہَ خَبِیْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے آگاہ ہے۔ اس آگاہی کا لحاظ کرنے سے آخر کسی نہ کسی وقت فطرتِ انسانی جاگ کر اسے ملامت کرتی ہے اور گناہوں میں گرنے سے بچاتی ہے۔

(حقائق الفرقان جلد 4 صفحہ 66-67)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگو! آؤ ہم تمہیں تدبیر بتاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ یٰٓاَیُّھَاالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ۔ اے مومنو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اس کی خشیت کو دل میں جگہ دو اور خوفِ الٰہی اپنے دلوں میں پیدا کرو یہی تمہاری کامیابی کا گُر ہے۔

تقویٰ اللہ کہنے کو تو چند لفظ ہیں جو آسانی سے کہے جا سکتے ہیں لیکن عمل میں تقویٰ ایک نہایت ہی مشکل بات ہے۔ ایک بزرگ نے تقویٰ کی یہ تعریف بیان کی ہے کہ ایک شخص نے کھلے کھلے کپڑے پہنے ہوئے ہوں جو اِدھر اُدھر لٹکتے جا رہے ہوں اور اس نے ایک ایسے تنگ راستہ سے گزرنا ہو جس سے صرف ایک ہی شخص گزر سکتا ہے اور اس راستہ کے دونوں طرف خاردار جھاڑیاں ہوں جن کے کانٹے قدم قدم پر اس کے کپڑوں کو کھینچتے ہوں ایسی جگہ سے جس طرح یہ شخص اپنے تمام کپڑے سمیٹ کر صحیح وسلامت گزر جاتا ہے اور اپنے کپڑوں کو پھٹنے نہیں دیتا، اسی طرح وہ شخص جو اپنی زندگی میں دنیا کی تمام آرائشوں اور تمام گندوں اور تمام ناپاکیوں سے گزر جائے اور اپنے تمام کپڑوں کو ناپاک نہ ہونے دے' اسکا نام تقویٰ اللہ ہے۔

پس کہنے کو تو یہ فقرہ آسان ہے مگر درحقیقت نہایت مشکل ہے۔ اور اس راستہ پر چلنا ہر ایک انسان کا کام نہیں ہے کیونکہ اس کے حصول کے لئے انسان کو بہت سی کوششیں اور ریاضتیں کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ لیکن جو شخص ہمت کرتا ہے وہ ضرور کامیاب بھی ہو جاتا ہے اور صرف یہ ہی ایک طریق ہے جس سے انسان دنیا میں اپنے کاموں اور ارادوں میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ بھی فرماتا ہے کہ اے مومنو! متقی بن جاؤ۔

اس بزرگ نے تقویٰ کے معنی بہت درست کئے ہیں۔ تقویٰ کے معنی بچاؤ کرنے کے ہیں۔ انسان کا نفس جسم ہے، پاکیزگی اور طہارت اس کا لباس ہے اور دنیاوی پلیدگیاں اور گندگیاں کانٹے ہیں جو ہر وقت طہارت اور پاکیزگی کے لباس کو پھاڑنے کے لئے تیار رہتے ہیں۔ انسان کا یہ کام ہے کہ اپنی ساری زندگی میں اس راستے سے صحیح وسلامت گزرنے کی کوشش کرے اور اس کو ایک تنگ راستہ سمجھے۔ آنحضرتؐ نے اس راستے کو تلوار سے مشابہ قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ

''تلوار کی دھار کی طرح تیز ہے اور اس کا نام آپؐ نے پُل صراط رکھا ہے''

(بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ وجوہ یومئذ ناضرۃ ربھا ناظرۃ)

گویا کہ یہ جہنم اور بہشت کے اوپر کا راستہ ہے جس پر انسان چل رہا ہے اور اتنا باریک اور تنگ ہے کہ انسان کو اس پر چلنے کے لئے ساری توجہ اور ساری کوشش سے کام لینا پڑتا ہے۔ اگر کسی نے ان بازی گروں کو دیکھا ہے جو رسہ پر پاؤں رکھ کر چلتے ہیں اور اپنے پاؤں سے سینگ باندھ کر اور سینگ کی نوک رسہ پر ٹیک کر چلتے ہیں تو اسے معلوم ہوگا کہ وہ کیسی عمدگی سے اپنے پیروں کو رکھتے اور کس خوبی سے اپنے وزن کو برقرار رکھتے ہیں نہ اِدھر گرتے ہیں نہ اُدھر گرتے ہیں۔ یہی حال متقی کا ہے اس کو بھی اسی طرح احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے کیونکہ

دنیا میں ہی تقویٰ کی راہ اس کیلئے بہشت کا موجب ہوتی ہے اگر کوئی راستہ سے ذرا ادھر ہو جائے تو وہ جہنم کے گڑھے میں گر پڑتا ہے تو جس طرح بازیگر چند پیسوں کے لئے رسہ پر اعتدال اور کوشش سے چلنے کی مشق کرتا ہے اور پھر اسی پر چلتا ہے اسی طرح مومن کا کام ہے کہ وہ اپنے نفس کو بچاتا ہوا اعتدال سے زندگی بسر کرے اور تقویٰ کے راستہ سے ذرا ادھر ادھر نہ سرکے تا کہ جہنم کے عمیق گڑھے میں گرنے سے بچ جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا

(الانفال:30)

اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو گے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ اللہ تمہارے لئے فرقان پیدا کردے گا۔

فرقان کیا ہے اسکے کئی معنی ہیں:

اوّل، وہ چیز جو حق و باطل میں تمیز اور فرق کردے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہارے لئے تقویٰ اختیار کرنے سے ایسی تدبیریں کی جائیں گی کہ جس بات پر تم قائم ہو اور جس صداقت کو تم پیدا کرنا چاہتے ہو اللہ بڑی زور آور تائیدوں سے اس کو لوگوں پر ظاہر کردے گا اور اس طرح حق و باطل میں کھلا کھلا فرق ہو جائے گا۔

دوم، فرقان کے معنے ایسے راستہ کے ہیں جس پر چل کر انسان مصیبتوں، تکلیفوں اور رنجوں سے نکل جائے یعنی اگر تم اللہ کے لئے تقویٰ اختیار کرو گے تو وہ تمہارے لئے ایسا راستہ پیدا کردے گا کہ تم ہر قسم کی مصیبتوں سے بچ کر نکل جاؤ گے۔ واقعہ میں ہر ایک کمزور کے لئے دنیا میں آرام سے رہنے کے لئے یہ ہی ایک راستہ ہوتا ہے کہ وہ طاقتور کا سہارا لے۔ دیکھو ایک کمزور جو چارپائی سے قدم بھی اٹھا نہیں سکتا میلوں کا سفر اس طرح طے کر لیتا ہے کہ اس کے تندرست ساتھی اس کو اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ پس کمزور اور ناطاقت انسان کے لئے مصیبتوں اور تکلیفوں سے بچنے کا یہ ہی طریق ہے کہ وہ طاقتور کا سہارا لے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اِنۡ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجۡعَلۡ لَّکُمۡ فُرۡقَانًا

اے مومنو! اگر تم اللہ کا تقویٰ کا اختیار کرو گے تو وہ آپ تمہارے لئے مصیبتوں سے بچنے کا راستہ نکالے گا اور تمہیں خود اٹھا کر ہلاکت کے گڑھے سے پار کردے گا اور

وَّ یُکَفِّرۡ عَنۡکُمۡ سَیِّاٰتِکُمۡ

اور وُہ تمہاری کمزوریوں کو ڈھانپ دے گا

انسان میں بہت سی کمزوریاں ہوتی ہیں اور اس کے پچھلے گناہ اس کے راستہ میں حائل ہو کر گمراہ کردیتے ہیں۔ اس لئے فرمایا کہ اگر تم اللہ کا تقویٰ اختیار کرو تو نہ صرف یہ ہوگا کہ خدا تمہیں آنے والی مشکلات اور مصائب سے بچالے گا بلکہ تمہیں صداقت کے راستہ سے جو حرصیں اور گناہ روکنا چاہیں گے ان سے بھی محفوظ رکھے گا اور تمہاری پہلی بدیوں کو ڈھانک دے گا۔ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ اور تمہارے گناہوں کو معاف کردے گا یعنی بدیوں کا ڈھانپنا یہ نہیں ہوگا کہ ان پر پردہ ڈال دے گا اور نہ یہ کہ لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ کردے گا تا کہ ان کے سامنے ذلت اور رسوائی نہ ہو بلکہ ان گزشتہ بدیوں اور گناہوں کے بدنتائج سے تمہیں بچالے گا وَاللّٰہُ ذُو الۡفَضۡلِ الۡعَظِیۡمِ۔ اور یہ تو معمولی باتیں ہیں جو متقیوں کے لئے بیان کی گئی ہیں ورنہ اللہ تو بہت کچھ رکھتا ہے۔

(خطباتِ محمود صفحہ 301-303 سال 1915)

انسان جب اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتا ہے تو وہ آخرت پر ایمان لاتا ہے اور جزا سزا کے اعتقاد کے بعد ضرور ہے کہ قرآن اور رسولِ کریمؐ پر ایمان لائے (جس کے ساتھ ملائکہ اور کتب کا ایمان بھی آ گیا) اور پھر مومن نماز کا پابند ہو جاتا ہے۔

ان باتوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ایمان کی جڑ اللہ پر ایمان ہے اور ایمان کا منتہیٰ آخرت پر ایمان اور جو آخرت پر ایمان لاتا ہے اس کا نشان بھی بتا دیتا ہے کہ:

وَالَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَۃِ یُؤۡمِنُوۡنَ بِہٖ وَہُمۡ عَلٰی صَلَاتِہِمۡ یُحَافِظُوۡنَ○

(سورہ الانعام:93)

اور وہ لوگ جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ (اس کتاب) پر ایمان لاتے ہیں.

اور وہ اپنی نماز پر ہمیشہ محافظ رہتے ہیں۔

وہ ایک تو تمام قرآن مجید پر ایمان لاتا ہے۔ دوم اپنی صلوٰۃ کی محافظت کرتا ہے۔ ایک نماز کو چھوڑ کر باقی نمازیں ادا کرنا ٹھیک نہیں یہ مومن کا طریق نہیں ہے۔ تمام نمازیں مسلمان پر فرض کی گئی ہیں۔ اس لئے ایک مقام پر آتا ہے کہ

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ج

(سورۃ البقرہ: 86)

پس کیا تم کتاب کے بعض حصوں پر ایمان لاتے ہو اور بعض کا انکار کرتے ہو؟

پاک مذہب وہی ہے جو قرآن کا معیار اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے۔ اگر چہ انسان بظاہر گھبراتا ہے کہ اس پاک مذہب کو میں کس طرح پاؤں۔ مگر جو بندہ صبر اور تقویٰ ہاتھ سے نہ جانے دے، ورنہ خدا تعالیٰ غنی ہے، اس کو کسی کی کیا پرواہ ہے۔ پس انسان خدا کے سامنے خاکسار بنے تو خدا تعالیٰ اس پر لطف اور احسان کرتا ہے اور اس کی آنکھیں کھول دیتا ہے۔ توبہ، دعا، استغفار کرے اور کبھی نہ گھبرائے، ہر شخص بیمار ہے اور کبھی صحت نہیں پا سکتا جب تک خدا کو نہ دیکھ لے۔ پس ہر وقت اداس اور دلبرداشتہ رہے اور تمام تعلقات کو توڑ کر خدا سے تعلق پیدا کرے ورنہ اس وقت تک جب تک کہ خدا سے نہیں ملا یہ گندہ اور نجس ہے۔ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

مَنْ کَانَ فِیْ هٰذِهٖۤ اَعْمٰی فَهُوَ فِی الْاٰخِرَةِ اَعْمٰی

(بنی اسرائیل:73)

جو اس دنیا میں اندھا ہو وہ آخرت میں بھی اندھا ہوگا

خدا پر یقین بڑی دولت ہے پس اندھا وہی ہے جس کو خدا پر پورا یقین حاصل نہیں ہوا۔ پس جب اس کا حسن و جمال، جلال اس پر ظاہر ہوگا تو خدا کی تجلّی ہوگی۔ اور پھر یہ دیکھ کر ممکن نہیں کہ گناہ کی طرف انسان رجوع کر سکے۔ پس گناہ بھی تبھی کرتا ہے جب اس کو خدا پر شک پڑ جاتا ہے۔ پس جو شخص نفس کا خیر خواہ ہے اس کو تو خدا پر یقین ہونا چاہیئے۔ مسیح کے زمانے میں گناہ کی یہ فراوانی نہ تھی مگر کفارہ نے دنیا کو گناہ سے پُر کر دیا۔ انسان اپنی کوشش سے کچھ نہیں کرتا۔ پس جب انسان کو خدا ہدایت دینے لگتا ہے تو اس کے دل میں ایک واعظ پیدا کر دیتا ہے پس جب تک دل کا واعظ نہ ہو تسلی نہیں ہو سکتی۔ پس دینی امور میں جب تک تقویٰ نہ ہو روح القدس سے تائید نہیں ملے گی۔ وہ شخص ضرور ٹھوکر کھا کر گرے گا۔

اس دین کی جڑ تقویٰ اور نیک بختی ہے اور یہ ممکن نہیں جب تک خدا پر یقین نہ ہو اور یقین خدا کے سوا کس سے ملتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ:

وَالَّذِیْنَ جَاهَدُوْا فِیْنَا لَنَهْدِیَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِیْنَO

(العنکبوت :70)

اور وہ لوگ جو ہمارے بارہ میں کوشش کرتے ہیں ہم ضرور انہیں اپنی راہوں کی طرف ہدایت دیں گے اور یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

پس انسان دنیا کو چھوڑ کر اپنی زندگی پر نظر ڈالے اور اپنی حالت پر رحم کرے کہ میں نے دنیا میں کیا بنایا۔ سوچے اور ظاہری الفاظ کی پیروی نہ کرے اور دعا میں مشغول رہے تو امید ہے کہ خدا اس کو اپنی راہ دکھا دے گا۔ نیک دل لے کر خدا کے سامنے کھڑا ہو کر دعائیں مانگے تب ہدایت پاوے گا۔

پس اللہ تعالیٰ سے دُعا کرتے رہنا چاہیئے کہ وہ ہمیں متقی بنائے اور تقویٰ کے راستہ پر چلنے کی توفیق دے اور باریک در باریک راہیں جو اس کی رضا و رغبت حاصل کرنے کی ہیں وہ بتائے اور اپنے پاک اور نیک بندوں کی راہوں پر چلائے کیونکہ زندگی کے ہر مقام ہر موقعہ پر چاہے وہ تقوی اللہ ہو، ایفائے عہد ہو، کسی کا کاروبار ہو، چاہے کسی کا قول و فعل ہو غرض ہر مقام پر تقویٰ اختیار کرتے رہنا چاہیئے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ ہر ایک نیکی کی جڑ تقویٰ ہے

کتنی ہی پُل صراط کی گو تیز دھار ہو
یارب میرا وہاں بھی قدم اُستوار ہو

دل چاہتا ہے طُور کا وہ لالہ زار ہو
اور آسماں پہ جلوہ گناں میرا یار ہو

تقویٰ کی جڑھ یہی ہے کہ خالق سے پیار ہو
گو ہاتھ کام میں ہوں مگر دِل میں یار ہو

دنیا کے عیش اس پہ سراسر ہیں پھر حرام
پہلو میں جس کے ایک دلِ بے قرار ہو

(کلام محمود صفحہ 54)

****

قرآن کریم میں ایٹمی دھماکے سے متعلق پیشگوئی

پروفیسر ڈاکٹر فضل احمد افضل

نوٹ:مندرجہ ذیل مضمون حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ کی سوال و جواب کی مجلسوں کو سن کر اور انکی کتاب Revelation, Rationality, Knowledge and Truth کو پڑھ کر لکھا گیا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ ہر بات کی اتنی گہرائی تک جاتے تھے کہ کسی میدان کا کوئی ماہر سے ماہر شخص بھی اتنی گہرائی تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔

دنیا کا کوئی ایسا مسئلہ نہیں جس کا حل قرآن مجید میں موجود نہ ہو۔خواہ اس کا تعلق سائنس سے ہو یا انسان کی بودوباش سے ہو یا جینیٹک سے ہو یا کسی بھی اَور دقیق مسئلے سے ہو۔صرف سائنس سے متعلق قرآن کریم میں سات سو بیس آیات ہیں۔

ڈاکٹر عبدالسلام جن کو 1979 میں نوبیل انعام ملا۔اور جن کا شمار دنیا کے چند چوٹی کے سائنس دانوں میں ہوتا ہے۔ان کو بھی جب کسی مسئلے کا حل تلاش کرنا ہوتا تو وہ ہمیشہ قرآن حکیم سے رہنمائی حاصل کرتے۔اگر وہ سفر میں بھی ہوتے تو ترجمہ والا قرآن مجید انکی کوٹ کی جیب میں ہوتا۔اور وہ سفر کے دوران قرآن مجید کی تلاوت کرتے اور غور وفکر کرتے رہتے۔

قرآن کریم میں بیشمار ایسی پیشگوئیاں ہیں جو ہمارے دَور کے واقعات اور ایجادات سے متعلق ہیں۔ان میں سے کچھ تو غیر معمولی اہمیت رکھتی ہیں۔لیکن اسوقت میں صرف ایک ایسی پیش گوئی سے متعلق بیان کرنا چاہتا ہوں جو ایٹم بم کے وجود اور اسکے دھماکے سے متعلق ہے۔اور اس کا بیان 1400 سال سے سورۃ الھمزۃ میں موجود ہے۔اسوقت انسان کا تصور کسی طرح بھی ایٹمی دھماکے کے خیال تک نہیں پہنچ سکتا تھا۔یہ حقیقت بھی کچھ کم حیران کن نہیں کہ اس دور کے لوگ اس چھوٹی سی سورۃ کی اہمیت کو نہ جان سکے۔یہ پیشگوئیاں جنہوں نے دنیا کو چیلنج دینا تھا اور ایک تہلکا مچادینا تھا' خاموشی سے بغیر چیلنج دیئے گزر گئیں۔

بہت سے مفسرین نے ان آیات کی تشریح کرنے کی کوشش سے بھی اجتناب کیا۔اور جنہوں نے کوشش کی انہوں نے حطمۃ کے اصلی معنی چھوڑ کر قیامت کے وقت سے تشریح کی ہے۔مغربی مستشرقین میں سے Sale نے صرف یہ لکھ دیا کہ بڑی تعداد کو حطمۃ میں پھینکا جائے گا۔الغرض کوئی بھی اس حیرت انگیز پیشگوئی کے ساتھ انصاف نہ کر سکا۔

قرآن کریم کی کچھ آیات میں واضح طور پر ایٹم اور چھوٹے ذرات کا ذکر ہے۔جو توانائی کا عظیم ذخیرہ ہیں۔چھوٹے ذرات پر بہت ریسرچ ہوئی ہے۔اور ہو رہی ہے۔اور نہ معلوم کب تک جاری رہے گی۔اور نئے سے نئے انکشافات ہو رہے ہیں۔چھوٹے ذرات پر کئی کتب لکھی گئی ہیں۔چھوٹے ذرات سے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک نہایت ہی خوبصورت شعر ملاحظہ ہو

کیا عجب تو نے ہر اک ذرہ میں رکھے ہیں خواص
کون پڑھ سکتا ہے سارا دفتر ان اسرار کا

آیئے ہم سورۃ الھمزۃ کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس میں کتنی شان سے ایٹمی پیشگوئی کا ذکر ہے۔

ہلاکت ہو ہر غیبت کرنے والے سخت عیب جُو کیلئے۔جس نے مال جمع کیا اور اسکا شمار کرتا رہا۔وہ گمان کیا کرتا تھا کہ اسکا مال اسے دوام بخش دے گا۔خبردار!وہ ضرور حطمہ میں گرایا جائے گا۔اور تجھے کیا معلوم کہ حطمہ کیا ہے۔وہ اللہ کی آگ ہے بھڑکائی ہوئی۔جو دلوں پر لپکے گی۔یقیناً وہ انکے خلاف بند رکھی گئی ہے۔ایسے ستونوں میں جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہیں۔

(سورۃ الھمزۃ،آیت 2 تا10)

آیئے سب سے پہلے حطمہ کا مطلب سمجھنے کی کوشش کریں۔مستند عربی لغات میں

حطمہ کے دو بنیادی مطلب بیان ہوئے ہیں۔ پہلا حطمہ (hotama) ہے۔ جس کا مطلب ہے کوٹنا یا بہت باریک سفوف تیار کرنا۔ دوسرا حِطَمہ (hitama) ہے۔ جس کا مطلب ہے چھوٹا ترین حقیر ذرہ۔ لہٰذا حطمہ کسی چیز کو اسکے چھوٹے ترین ذرات میں توڑنے سے حاصل ہوتا ہے۔ یہ دونوں مطالب ایسے نہایت چھوٹے ذرّات کیلئے استعمال ہوتے ہیں جو مزید تقسیم نہ ہو سکیں۔ 1400 سال پہلے ایٹم کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔

اب حل طلب سوالات یہ ہیں:

(1) انسان کو ایٹم یعنی حطمہ میں کیسے ڈالا جائے گا؟

(2) آگ دلوں پر کیسے لپکے گی؟

(3) وہ کیسی آگ ہے جو بند کی گئی ہے ایسے ستونوں میں جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہیں؟

آیئے پہلے ہم یہ دیکھیں کہ ایٹمی دھماکا کس طرح ہوتا ہے۔ جب ایک نیوٹران یورینیم ایٹم کو بمبار (hit) کرتا ہے اور وہ نیوٹران یورینیم ایٹم میں جذب ہو جاتا ہے۔ تو یورینیم ایٹم کی ایٹمی کمیت (atomic mass) کی حالت فاضل کمیت (critical mass) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اور مرکب مرکزہ (compound nucleus) تھرتھرانا اور پھیلنا شروع کر دیتا ہے۔ مرکب مرکزہ دو حصوں میں تقسیم ہونے سے پہلے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ان دونوں حصوں یعنی ان ستونوں کو کھینچ کر لمبا کیا جا رہا ہے۔ یہ دباؤ مرکب نیوکلس کے پھٹنے سے پہلے اسکے کھینچ کر لمبے ہونے سے پیدا ہوتا ہے۔ مرکب نیوکلس دو حصوں میں پھٹ جاتا ہے۔ ان دو نئے بننے والے عناصر کا مجموعہ ابتدائی عناصر سے کم ہوتا ہے۔ ایٹمی وزن کا وہ چھوٹا سا حصہ جو اس عمل میں ضائع ہو جاتا ہے وہ توانائی کی شکل میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اور وہ آگ کا گولہ بن جاتا ہے جو ایک کھمبی کی طرح دس بارہ کلومیٹر اونچا بن جاتا ہے۔ اور یہی وہ آگ کا گولہ جو حطمہ یعنی ایٹم کے پھٹنے سے بنتا ہے۔ اور اسی حطمہ میں انسان کو پھینکا جائے گا۔ گویا یہ وہی آگ ہے جو بند کی گئی ہے ایسے ستوں میں جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہیں۔

اب آخری سوال یہ رہ گیا ہے کہ آگ دلوں پر کیسے لپکے گی؟

جب ایٹم بم پھٹتا ہے ایک تو آگ کا گولا بن جاتا ہے۔ اور دوسرے گیما ریز کے علاوہ ایکس ریز اور نیوٹران بڑی تعداد میں اور بڑی تیزی سے نکلتے ہیں۔ گیما ریز کا ریخ بہت زیادہ ہوتا ہے۔ وہ انسانی جسم سے آسانی سے گزر سکتی ہیں۔ اور گیما ریز میں بہت زیادہ ارتعاش ہوتا ہے۔ گیما ریز بھی آگ ہی ہے لیکن یہ وہ آگ نہیں ہے جو ہر چیز کو جلا ڈالتی ہے بلکہ یہ وہ آگ ہے جو انسانی جسم کو خراش تک دیئے بغیر لپک کر دلوں پر حملہ کرے گی۔ چونکہ گیما ریز کا ارتعاش بہت زیادہ ہوتا ہے لہٰذا یہی ارتعاش دل کی حرکت بند کر دیتا ہے۔ اسطرح وہ آگ جو بند کی گئی ہے ایسے ستونوں میں جو کھینچ کر لمبے کئے گئے ہیں وہ لپک کر دلوں پر حملہ کر کے انسان کو موت کی نیند سلا دے گی۔

(آگ کا گولہ)

****

صبر

''انسان کو یہاں تک صبر کرنا چاہیئے کہ اس کا دل یہ یقین کر لے کہ میرے جیسا کوئی صابر نہیں۔ آخر خدا تعالیٰ مہربان ہو کر دروازہ کھول دیتا ہے۔ اسی طرح ایک اور بزرگ کا قول ہے کہ جب انسان عارف ہو جاتا ہے تو تمام عبادتیں ساقط ہو جاتی ہیں اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ وہ عبادات ترک کر دیتا ہے بلکہ یہ معنے ہیں کہ عبادات کی بجا آوری میں اُسے جو تکلیف ہوتی تھی وہ ساقط ہو جاتی ہے۔ اب عبادات محبوبات نفس میں شامل ہو گئیں۔ جیسے کھانا پینا وغیرہ اس کی محبوبات نفس تھیں۔ ایسا ہی نماز روزہ ہو گیا۔ خدا تعالیٰ جیسا وفادار اور کوئی نہیں۔ دوستی اور اخلاص کا حق جیسے وہ ادا کر سکتا ہے اور کوئی نہیں کر سکتا۔ انسان بڑے جوش والا ہے۔ وہ صبر سے حقوق ادا نہیں کر سکتا جلدی بے صبر نہیں ہونا چاہیئے۔''

(ملفوظات جلد4صفحہ246)

مسجدوں کو ڈھانے والے مسلمان

محمود بن عطاء (ٹیکساس)

عراق پر امریکی حملہ کئی لحاظ سے منحوس ثابت ہوا ہے۔ اگرچہ اس نحوست نے اہلِ امریکہ کو بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ مگر اس نحوست کے اثرات اہلِ عراق اور اہلِ اسلام کیلئے بہت مضر ثابت ہوئے ہیں۔ دکھ تو اس بات کا ہے کہ اس کے زیرِ اثر بعض مسلمان کہلانے والوں کی بھی عقل ماری گئی ہے حالانکہ مومن کی پہچان یہ ہے کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ عراق میں کئی قسم کی جہادی تنظیمیں اور مزاحمتی قوتیں کام کر رہی ہیں۔ اس مزاحمت اور جہاد نے کئی شکلیں اختیار کر لی ہیں۔ ایک شکل شیعہ سنی تصادم کی ہے جس کی کوئی تک نہیں بنتی۔ یہ نادان پہلے ایک دوسرے کو مارتے تھے اور اس دیوانگی میں مردوں، عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کو قتل کرتے تھے۔ نیز جائیدادوں اور تجارتوں کو تباہ کرتے تھے۔ بجلی گھروں، ہسپتالوں اور پُلوں کو مسمار کرتے تھے اب ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو منہدم کرتے پھرتے ہیں۔ ان مناظر کی تصویریں دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔

اگر غور کیا جائے تو عبادت گاہیں خدا کے گھر ہیں۔ خدا کے گھروں کو ڈھانے اور مسمار کرنے کا کیا جواز ہے!! خدا سے جہاد؟ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ!! خُدا کے گھروں کو منہدم کرنے کا اور کیا مطلب نکلتا ہے؟

ہجرتِ مدینہ سے پہلے مسلمان تقریباً تیرہ سال مکّہ میں رہے۔ اس دَور میں مخالفت زوروں پر تھی مگر مسلمانوں کو صبر کرنے کا حکم تھا کفارِ مکّہ کے ہر طرح کے مظالم برداشت کیے مگر جواب میں کوئی عسکری مزاحمت نہیں کی گئی۔ صحابہ کرامؓ نے اسی حکم کی اطاعت کی اور بے مثال صبر کا مظاہرہ کیا۔ 100 کے لگ بھگ مسلمان حبشہ ہجرت کر گئے مگر مکہ میں رہتے ہوئے مزاحمت نہیں کی۔ ہجرتِ مدینہ (یثرب) کے بعد جب مشرکین مکہ نے مسلمانوں کو وہاں بھی چین سے نہ بیٹھنے دیا تو پھر اللہ تعالیٰ نے دفاعی جہاد کا حکم نازل فرمایا۔ یہ حکم سورۃ الحج کی آیات 39 اور 40 میں موجود ہے۔ مسلمانوں کو ہتھیار اٹھانے کی اس لئے اجازت دی گئی ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی وجہ سے گھروں سے نکالا گیا اور اب ان پر جنگ مسلط کی جا رہی تھی۔ بالفاظ دیگر آزادئ ضمیر وعقیدہ کو وجہ قرار دیا گیا ہے۔ آیت 40 میں عبادت گاہوں کو تباہی اور بربادی سے بچانے کو مقاصد جہاد میں شامل فرمایا گیا ہے۔ یہ اسلام کا صدقہ ہے یہ اس آیت قرآنی میں گرجوں، راہب خانوں اور یہود کے معابد کا ذکر کرنے کے بعد آخر میں مساجد کا ذکر کیا گیا ہے۔ بالفاظ دیگر دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کے احترام کی بھی تلقین کی گئی ہے۔ وہ مسلمان جو گرجوں اور یہود کی عبادت گاہوں کو بھی انہدام سے بچانے کیلئے مکلّف ہے کیا وہ مسجدوں کو اپنے ہاتھوں سے مسمار کر سکتا ہے؟ تاریخِ اسلام کے صفحات بار بار یہ شہادت دیتے ہیں کہ اسلامی افواج کے جرنیل دوسرے مذاہب کی عبادت گاہوں کی حفاظت اور احترام کرتے رہے ہیں۔ آگے چل کر بعض مثالیں پیش کی جائیں گی۔ اس مرحلے پر میں یہ سوال پوچھنا چاہتا ہوں کہ اکیسویں صدی کے مسلمانوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان کے جہاد کے ایجنڈے میں مساجد کا منہدم کرنا شامل کر لیا گیا ہے؟

اکثر اہلِ علم جانتے ہیں کہ عراق میں اس بدرّوایت کا آغاز القاعدہ نے کیا ہے۔ القاعدہ نے اپنے نظریہء جہاد کو حضرت علیؓ کے زمانے میں پیدا ہونے والے پہلے دہشت گرد گروہ خوارج کے عقیدہ جہاد سے مستعار لیا ہے۔ خارجی صرف اپنے آپ کو صحیح اور سچا مسلمان سمجھتے تھے۔ حضرت علیؓ اور دیگر صحابہؓ کو بھی نعوذ باللہ کافر کہتے تھے۔ اور ان سے جہاد کرنا جائز سمجھتے تھے۔ سب جانتے ہیں کہ اسلام کی بنیاد پانچ ارکان پر ہے۔ شہادۃ، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج مگر خوارج کے ہاں 6 ارکانِ اسلام ہیں۔ چھٹا رُکن اُن کے نزدیک جہاد ہے ان کا یہ جہاد بھی القاعدہ اور طالبان کے جہاد کی طرح مسلم اور غیر مسلم میں کسی تمیز کا روادار نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایک خارجی قاریٔ قرآن، عبدالرحمٰن بن ملجم نے حضرت علیؓ پر رمضان المبارک میں جامع مسجد کوفہ میں قاتلانہ حملہ کیا۔ غور فرمایئے

رمضان کا مبارک مہینہ، جامع مسجد کا ماحول، خلیفۃ المسلمین اور وُہ بھی اوّل المسلمین، یعنی بچوں میں سے پہلے ایمان لانے والا اور دامادِ رسول ﷺ ایک قاریٔ قرآن اس سے جہاد کرنے نکلا ہے۔ عقیدہ کی گمراہی انسانوں کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔ یہ شخص آئین شریعت کے مطابق قصاص میں قتل ہوا۔ بدانجام کو پہنچا مگر اسلام کو کس قدر نقصان پہنچا گیا۔

میں مانتا ہوں کہ شیعہ سنی اختلاف 14 صدیاں پرانا ہے۔ شروع میں یہ اختلاف صرف سیاسی نوعیت کا تھا۔ ابتداء میں یہ لوگ ''شیعان علیؑ'' اور ''شیعانِ معاویہ'' کہلائے یعنی ان دو اصحاب کے حامی اور حلیف لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ان سیاسی تعلقات نے مذہبی اختلافات کی صورت اختیار کرلی۔ قرآن کا متن تو وہی رہا مگر تفسیر و تشریح مختلف ہوگئی احادیث فقہ و تاریخ کی کتابیں اور ان کے امام اور مؤلف بھی اپنے اپنے، مساجد بھی الگ اور ان کے آئمہ بھی۔ شکر ہے کہ قبلہ ایک ہی رہا۔ اس سیاسی اختلاف کو گہرا اور دائمی بنانے کیلئے اسے مذہبی رنگ دے دیا گیا۔ اگر یہ اختلاف پرامن رہے اور رواداری کی حدود میں رہے تو ''رحمت''۔ بصورتِ دیگر ایک قابل ملامت زحمت! جیسا کہ عراق میں بن چکا ہے اور لبنان میں اس کے خطرات موجود ہیں اور پاکستان میں یہ عفریت کبھی کبھی اپنا سر اٹھا لیتا ہے۔ اس تمہید کے بعد اب میں اصل دل خراش خبر کی طرف رجوع کرتا ہوں۔ عراق میں بغداد سے تقریباً 75 میل کے فاصلے پر ایک تاریخی شہر سامرا نام کا ہے۔ ایک عباسی خلیفہ، معتصم نے اسے اپنا دارالحکومت قرار دیا۔ خلیفہ المتوکل نے شیعوں کے دسویں امام علی الہادی کو مدینہ منورہ سے بلا کر سامرا میں نظر بند کردیا۔ حتیٰ کہ ان کا وہاں انتقال ہوگیا۔ گیارہویں امام، محمد عسکری بھی وہیں فوت ہوئے۔ سامرا (اصل ابتدائی نام سرئ من را یعنی جس نے یہ شہر دیکھا وہ بہت خوش ہوا) کی خوبصورت تاریخی مسجد ''عسکریہ'' میں ان حضرات کے مزار موجود ہیں۔ امام محمد عسکری کے صاحبزادے محمد مہدی بچپن میں غائب ہوگئے۔ یہی صاحب امام غائب کہلاتے ہیں اور شیعہ عقیدے کے مطابق آخری زمانے میں امام مہدی کی حیثیت سے ظہور فرما ہوں گے اور حضرت عیسیٰ بن مریم کے ساتھ مل کر دنیا میں اسلام کو غالب کردیں گے۔ وہ غار جس سے امام مہدی ظہور فرمائیں گے سامرا میں موجود بیان کیا جاتا ہے۔ اس پس منظر سے اس شہر اور اس تاریخی مسجد کی اہمیت واضح ہوجاتی ہے۔ فروری 2006 میں اس مسجد کے سنہرے گنبد کو بم کے دھماکے سے تباہ کر دیا گیا تھا۔ اس کا الزام القاعدہ پر عائد کیا گیا۔ اس کے ردِ عمل میں عراق میں شیعہ سنی فسادات وسیع پیمانے پر شروع ہوگئے جن کا سلسلہ اب تک عارضی تعطل کے ساتھ جاری ہے اس افسوسناک صورتحال میں اب تک متعدد سنّی مساجد پر ایسے ہی حملے ہو چکے ہیں۔ عمارات کی تباہی کے علاوہ جانی نقصان بھی ہوا ہے۔ اس مسجد کے گولڈن گنبد کے دائیں بائیں دو خوبصورت مینار باقی تھے۔ 13 جون 2007 کو دہشت گردی کے ایک پُر اسرار واقعے میں یہ دونوں مینار بھی شہید کردیئے گئے ہیں۔ اس کے ردِ عمل میں 4 مساجد جنوبی بغداد میں 3 سکندریہ کے علاقہ میں اور 1 محاویل میں تباہ کردی گئی ہے۔ بعض اور مقامات پر بھی مساجد پر ایسے حملے کئے گئے ہیں۔ البتہ جنوبی عراق کے شہر بصرہ میں شیعہ اور سنّی عمائدین نے مل کر ایک جلوس نکالا جس میں اتحاد و اتفاق کی اہمیت واضح کرتے ہوئے تصادم اور فتنہ وفساد سے بچنے کی اپیل کی گئی اور ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کا احترام کرنے کا عزم دہرایا گیا۔ بصرہ وہ تاریخی شہر ہے جس کے مضافات میں حضرت علیؓ کی خلافت کے ابتدائی ایام میں اسلام کی پہلی سِوِل وار (جنگِ جمل) لڑی گئی جس میں ہزاروں صحابہؓ اور تابعین شہید ہوگئے۔ جب دونوں فوجیں صلح کے اعلان کا فیصلہ کرچکی تھیں۔ منافقین کے ایجنٹوں نے جنگ چھیڑ دی۔ اس جنگ کے خاتمہ پر حضرت علیؓ نے طرفین کے شہداء کی نماز جنازہ پڑھائی اور مالِ غنیمت جمع کرنے پر پابندی عائد کردی۔ بصرہ کی مٹی کو امن اور صلح سے کچھ نسبت ضرور ہے کاش باقی عراق کو بصرہ سے سبق سیکھنے کی توفیق ملے!

اگرچہ اہل بصرہ کا رویہ امید کی کرن ہے مگر اس سانحہ کے بعد اب تک 9 مساجد تباہ کردی گئی ہیں اور متعدد کو جزوی طور پر نقصان پہنچا ہے۔ اس سے قبل دہشت گردی کے ایک واقعہ میں حضرت سید عبدالقادر جیلانی کے مزار کے ایک مینار کو نقصان پہنچنے کی خبر آئی تھی۔ یہ صورتحال شرمناک ہے۔ ان واقعات سے اسلام کی رواداری پر دھبہ لگتا ہے اور دشمن ہنستے ہیں بلکہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ ایسی حرکتوں سے ہماری صدیوں کی تاریخ پر سیاہی پھر رہی ہے۔

حضرت عمرؓ کے عہدِ خلافت میں عراق، ایران، شام، فلسطین اور مصر فتح ہوئے مگر ان تمام ممالک میں عبادت گاہوں اور ان کے غیر مسلم متوسلین سے کوئی تعرض نہیں کیا گیا۔ اہلِ ذمہ کو مکمل مذہبی آزادی دی گئی۔ ان کی جان مال،

عزت و آبرو کی حفاظت کا ذمہ لیا گیا۔ ایک معمولی سا جزیہ نامی ٹیکس ان پر عائد کیا گیا جسے مفت میں بدنام کر دیا گیا۔ اگر کسی وقت مسلمانوں کو مجبوراً ذمیوں کی حفاظت سے دستبردار ہونا پڑا تو جزیہ کی مد میں وصول کی جانے والی تمام رقم اہلِ ذمہ کو واپس کر دی گئی۔ جنگِ یرموک کی ہنگامی حالت کی وجہ سے جب مسلمانوں کو دمشق اور حمص کے شہر خالی کرنے پڑے تو واپسی سے قبل ان شہروں کے غیر مسلموں کو جزیہ کی کل رقم واپس کر دی گئی۔ کیا اس فیاضی اور عدل پر کشور کشائی کا اطلاق ہوسکتا ہے؟ لوگ مسلمانوں کی اصول پرستی اور عدل کو دیکھ کر روتے تھے اور دعا کرتے تھے کہ خدا اُنہیں واپس لائے۔ کیا دنیا کی تاریخ سے آپ ایسی ایک بھی Occupation Force مجھے دکھا سکتے ہیں؟

مجھے موضوع سے ہٹ جانے کا اندیشہ ہے مگر یہ ایسے حقائق ہیں کہ ان کا ذکر ہونا چاہیئے ع

گاہے گاہے باز خواں ایں قصہء پارینہ را

دمشق کے محاصرہ کے وقت اسلامی لشکر کے سپہ سالار امین الامہ ابوعبیدہ بن الجراحؓ تھے شہر کا محاصرہ چاروں طرف سے کیا گیا۔ خالد بن ولید، عمروؓ بن العاص اور شرحبیلؓ بن حسنہ کی قیادت میں جب محاصرہ نے طول کھینچا تو شہر کے اس حصہ نے جو خالدؓ بن ولید کے قریب تھا حضرت خالدؓ سے عہد و پیمان کر کے سپر انداز ہونے کا فیصلہ کر لیا باقی تین اطراف سے فوج بزورِ شمشیر دمشق میں داخل ہوئی۔ شہر کے وسط میں خالدؓ بن ولید اور حضرت ابوعبیدہؓ کی ملاقات ہوئی تو حالات کا علم ہوا۔ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ اگر مسلمان فوج کے کسی معمولی سپاہی نے بھی دشمن کو امان دے دی ہے تو اسے تمام اسلامی لشکر تسلیم کرے گا۔ چنانچہ حضرت خالدؓ کے معاہدہ کے تحت اہلِ دمشق کو امان دی گئی۔ اس معاہدہ امن کی پہلی شق درج ذیل ہے۔ میں اسے بھی سورۃ الحج کی آیت 40 کی برکت اور حضرت رسالت مآب ﷺ کی رحمت اللعالمینی کا صدقہ جاریہ سمجھتا ہوں:

''جب اسلامی لشکر دمشق میں داخل ہوگا تو دمشق والوں کو امان دی جائے گی ان کی جان، مال اور گرجوں سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ نہ شہر دمشق کی شہر پناہ منہدم کی جائے گی نہ کسی مکان کو مسمار اور منہدم کیا جائے گا۔ اسلامی لشکر کا کوئی شخص شہر والوں کے کسی مکان میں سکونت اختیار نہ کرے گا۔''

(تاریخ اسلام حصہ اول اکبرشاہ خان نجیب آبادی صفحہ 275-276)

اہلِ یروشلم کو امان دیتے وقت حضرت عمرؓ نے ایک اور زرّیں مثال قائم کی۔ یہ امان نامہ تاریخ کے صفحات میں من وعن محفوظ ہے اور مسلمانوں کی رواداری کا منہ بولتا ثبوت ہے۔ اس وقت آرچ بشپ سافرونئس (Sophronius) یروشلم کا گورنر تھا۔ شہر کی غالب اکثریت عیسائی تھی۔ اس نے حضرت عمرؓ کو اپنے گرجا میں نماز ادا کرنے کی دعوت دی مگر حضرت عمرؓ نے اسے قبول نہیں فرمایا اور اس کی وجہ بھی بیان فرمادی:

اگر میں یہاں نماز پڑھ لوں گا تو مجھے ڈر ہے کہ اگلی نسل کے مسلمان کسی وقت اپنے خلیفہ کی جائے نماز کو مسجد بنانے پر اصرار کریں گے۔ میں اس حق تلفی اور تجاوز کو ناپسند کرتا ہوں۔

جنگوں اور فوجی کارروائیوں میں حکام بدلتے رہتے ہیں۔ عیسائی حکمران ایسی فراخ دلی اور دُور اندیشی کا مظاہرہ کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ اسی شہر یروشلم میں اسی گرجے سے تھوڑے فاصلے پر واقع قبۃ الصخرہ (Dome of Rock) پر صلیبی جنگوں کے زمانے میں عیسائیوں کا قبضہ ہوگیا۔ انہوں نے اسے اپنی عبادت گاہ بنا کر اس پر صلیب گاڑ دی۔ 90 سال تک یہ عبادت گاہ اسی حالت میں رہی۔ صلاح الدین ایوبی نے یروشلم کی فتح کے بعد اس صلیب کو اتارا اور اس کا اسلامی تشخص بحال کیا۔ مگر سپین کی مسجد قرطبہ اب تک مُقفل ہے اور اس کا ایک حصہ چرچ میں تبدیل کیا جا چکا ہے۔ اس ظلم پر پانچ صدیوں کی گرد جم چکی ہے۔

ہمارے ہمسایہ ملک بھارت میں انتہا پسند ہندوؤں سے ایسی ہی نادانی سرزد ہوئی۔ ایودھیا شہر میں مغل سلطنت کے بانی ظہیر الدین بابر نے ایک مسجد تعمیر کروائی جو اس نسبت سے بابری مسجد کہلاتی تھی۔ دسمبر 1992 میں BJP کے عہدِ حکومت میں صرف 10 گھنٹوں کے اندر اندر اس مسجد کو شہید کر دیا گیا۔ پریس اور فوج کی موجودگی میں اس پاگل پن کا مظاہرہ کیا گیا یہ کوئی بہادری کا کارنامہ نہیں تھا کسی عبادت گاہ کا انہدام بزدلی اور کمینگی ہے۔ اس شرمناک سانحہ نے بھارتی سیکولرازم کو دُنیا بھر میں رُسوا کیا۔ چند سال قبل ایک آسٹریلوی یہودی نے مسجد اقصیٰ کو آگ لگانے کی کوشش کی۔ اسی شہر میں صدیوں قبل رومیوں نے

ہیکل سلیمانی کی اینٹ سے اینٹ بجادی تھی۔ مجھے غیر مسلموں'عیسائیوں اور ہندوؤں کے ہاتھوں عبادت گاہوں کی بے حرمتی کا دکھ تو ہے مگر جب کوئی مسلمان مسجد کی تباہی اور بربادی کا مرتکب ہوتا ہے تو یہ غم ناقابل برداشت ہوجاتا ہے۔سچا مسلمان تو ہر عبادت گاہ کا محافظ ہے ع

قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآں

سورۃ البقرۃ کی آیت 114 میں مسجدوں میں عبادت میں روک ڈالنے والے اور ان کی خرابی اور بربادی چاہنے والے کو اللہ تعالیٰ نے ''اظلم'' قرار دیا ہے یعنی ظلم کی انتہاء کرنے والا۔ پاکستان کے قبائلی علاقے کے اکثر جہادی جو القاعدہ کے ریکروٹ ہیں عربی سے ناواقف ہیں۔وہ بیچارے ''اظلم'' کو کیا سمجھیں گے لیکن عربی تو عراق کے لوگوں کی مادری زبان ہے۔اظلم کے معانی ان کی سمجھ سے بالا کیوں ہیں؟اس آیت کے آخر میں مساجد کے ساتھ یہ ظلم کرنے والوں کو وعید سنائی گئی ہے کہ دنیا میں ان کیلئے ذلّت اور آخرت میں عذاب مقدر رہے۔

حضرت نبی کریم ﷺ نے مسجد تعمیر کرنے والوں کو جنت الفردوس میں اقامت کی بشارت دی ہے کاش مسجدیں منہدم کرنے والے مندرجہ بالا قرآنی وعید سے ڈر کر رہیں۔آداب مسجد کے حوالے سے سب جانتے ہیں کہ مسجد میں لہسن، پیاز وغیرہ کچی سبزی کھا کر آنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ ان کے منہ سے اس معمولی سی بو کی وجہ سے فرشتوں کو تکلیف پہنچتی ہے۔مسجدوں کو بموں کے دھماکوں سے اڑانے والے بارُود کی بُو تو اس سے زیادہ اذیت ناک ہوتی ہوگی۔ مگر موٹی عقل والے جہادیوں کو کون سمجھائے؟جیسی روح ویسے فرشتے!!

ممکن ہے القاعدہ کے ناخواندہ مجاہد مسجد ضرار کی مثال پیش کریں کہ قرآن مجید میں اس مسجد کے انہدام اور احتراق کا ذکر موجود ہے۔اگر صحابہ کرامؓ حضرت رسول کریم ﷺ کے حکم سے مسجد جلا سکتے ہیں تو ہم بھی اسی سنت پر عمل کر رہے ہیں۔یہ استنباط بالکل غلط اور بے بنیاد ہے سورۃ توبہ کی آیات (107-110) میں مسجد ضرار کا تفصیل سے ذکر موجود ہے۔یہ جاننا ضروری ہے کہ وہ مسجد قباء کی بستی میں منافقین نے بنائی تھی اسے ایک عرب عیسائی راہب ابو عامر کی گھات کے طور پر بنایا گیا تھا۔ابو عامر اکثر جنگوں میں کفار مکّہ کی طرف سے موجود رہا۔وہ مسلمانوں کے خلاف رومی حکومت اور اس کے حلیفوں کو بھڑکا کر مدینہ پر حملہ کروانا چاہتا تھا۔فتح مکّہ کے بعد معرکہ حُنین کے وقت مایوس ہوکر شام فرار ہوگیا۔منافقین نے حضور اکرم ﷺ سے اس مسجد کو متبرک بنانے کیلئے ایک مرتبہ امامت کرنے کی درخواست کی۔حضور اکرم ﷺ اس وقت غزوہ تبوک کی تیاری میں مصروف تھے۔واپسی پر وحی الٰہی کے تحت اس مسجد کو جلا دیا گیا۔اسامہ بن لادن'ایمن الظواہری'مُلّا عمر کو کون سی وحی ہوئی ہے کہ مسجد عسکریہ یا دوسری مساجد کے گنبد اور مینار گرادیئے جائیں۔یہ ان لوگوں اور ان کے ہمنواؤں کے نفس کا دھوکہ ہے کہ اپنے سیاسی عزائم کے لئے خوارج کے غلط فلسفہ جہاد کو سینے سے چمٹائے ہوئے ہیں۔سچے اور مقبول جہاد کی ایک نشانی کا قرآن مجید میں ذکر موجود ہے(سورۃ حج آیت 39)اللہ تعالیٰ کی نصرت ان مومنوں کے شامل حال ہوتی ہے اور وہ مظفر ومنصور ہوتے ہیں۔اب تک تو ناکامیاں اور نامرادیاں ہی ان کا تعاقب کررہی ہیں یہی پہلو لمحہء فکریہ ہے۔

بعض صورتوں میں مسجد کا گرایا جانا جائز ہوتا ہے مثلاً توسیع کیلئے مسجد کو گرانا جائز ہوتا ہے۔مسجد نبوی کی بار بار توسیع ہوئی ہے اسی طرح ایک مسجد کو گرا کر کسی اور موزوں جگہ پر تعمیر نَو کی جاسکتی ہے۔اگر کوئی باغی یا بدخواہ مسجد کے اندر ڈیرے ڈال کر حکومت سے جنگ کرے تو قرآن مجید اس فتنے کے تدارک کیلئے حکومت کو وہاں لڑنے کی اجازت دیتا ہے۔قرآن مجید میں مسجد بیت الحرام کے حوالے سے بھی اس کی اجازت موجود ہے۔(سورۃ البقرۃ: 192)

جامعہ حفصہ اور لال مسجد اس کی زَد میں آتی ہے۔ان کے آئمہ کو فتنہ کا دروازہ نہیں کھولنا چاہیئے۔قرآن مجید'حضور اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور خلفائے راشدین کے طرز عمل کے مطالعہ سے واضح ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو تمام عبادت گاہوں سمیت مساجد کی حفاظت اور تکریم کا حکم دیا گیا ہے اس پر صدق دل سے عمل کرنے کی ضرورت ہے۔اگر آج میڈیا میں اسلام'قرآن'رسول اکرم ﷺ پر ناجائز تنقید کی جاتی ہے تو اس کے ذمہ دار وہ لوگ ہیں جن کے بد اعمال اور اقوال کی وجہ سے یہ نوبت آئی ہے۔مگر کتنے لوگ اس قسم کے واقعات کی مذمت کرتے ہیں؟افسوس ہے کہ احساسِ زیاں کے فقدان پر رونے والے بھی کم ہیں۔حال ہی میں عراق میں ایک شیعہ مسجد پر آتش گیر مادے سے لدے ہوئے ٹرک سے حملہ کیا گیا۔اس کے نتیجے میں 78 افراد جاں بحق اور شدید زخمی ہوئے۔یہ خبر سُن کر مجھے اقبال کا یہ مصرعہ یاد آ گیا ع

یہ مسلماں ہیں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

****

سالانہ اجتماع مجلس خدام الاحمدیہ یو۔ایس۔اے 2007

پرویز خان و خالد احمد

مجلس خدام الاحمدیہ امریکہ کا 29واں سالانہ اجتماع جولائی 13، 14 اور 15 کو نیویارک میں منعقد ہوا۔ اجتماع سرسبز و شاداب ہڈسن ویلی کے کھیل کے ایک Dome میں منعقد ہوا۔ اس اجتماع میں 1008 افراد نے شرکت کی جو کہ ایک ریکارڈ ہے۔ اسکے علاوہ کل 59 مجالس میں سے 53 مجالس نے اجتماع میں شرکت کی اور مغربی ریاستوں سے پہلی بار سو کے لگ بھگ خدام واطفال نے شرکت کر کے ریکارڈ قائم کیا۔ اس اجتماع میں 96 ایسے افراد شامل ہوئے جن میں سے ہر ایک نے اجتماع میں شامل ہونے کیلئے 6000 میل سے زیادہ کا سفر کیا۔ تقریباً 200 خدام واطفال نے اس اجتماع میں شمولیت کے لئے 2500 میل سے زیادہ سفر کیا۔ اس اجتماع کی تیاری میں کارکنان کے 5000 سے زیادہ گھنٹے خرچ ہوئے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے ایک موقع پر فرمایا:

دینی بھائیوں اور عزیزوں کو ملنے کیلئے سفر کرنے کو موجب ثوابِ کثیر و اجرِ عظیم قرار دیا ہے۔ بلکہ زیارت صالحین کیلئے سفر کرنا قدیم سنت سلفِ صالح چلی آئی ہے۔

(اشتہار قیامت کی نشانی 1892)

حضرت مسیح موعودؑ کی اس تحریر کی روشنی میں اجتماع کا مرکزی Theme بھی Brotherhood رکھا گیا تھا اور سٹیج کو خوبصورتی سے اسکی روشنی میں مزین کیا گیا تھا۔ خدام کا اجتماع نہ صرف روحانی اور جسمانی ٹریننگ کیلئے ہوتا ہے بلکہ بھائی چارہ قائم کرنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔ خاص طور سے امریکہ جیسے ملک میں جہاں احمدی احباب سینکڑوں میل ایک دوسرے سے دور رہتے ہیں۔

اجتماع کے تین دن کا روحانی ماحول قابلِ دید تھا۔ اِدھر صبح کا آغاز نمازِ تہجد و فجر سے ہوتا اُدھر رات کا اختتام تربیت کے مسائل پر گفتگو سے ہوتا۔ کہیں کوئی ٹیم دوسرے سے آگے نکل جاتی تو نعرۂ تکبیر بلند کر کے شکر ادا کرتی۔ کالے اور سفید سکارف پہنے خدام کے دمکتے چہرے ایک دوسرے کو سلام و معانقہ کرتے نہ تھکتے۔

اجتماع کا آغاز جمعہ کی صبح کو افتتاحی اجلاس سے ہوا جسکی صدارت امیر صاحب امریکہ محترم ڈاکٹر احسان اللہ ظفر صاحب نے کی۔ محترم صدر صاحب مجلس خدام الاحمدیہ ڈاکٹر فہیم یونس نے حضور ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خصوصی پیغام خدام کے نام پڑھ کر سنایا اور آنے والے مہمانوں کو خوش آمدید کہا۔ اسکے بعد پرچم لہرانے کی تقریب ہوئی امیر صاحب نے خدام الاحمدیہ اور صدر صاحب نے امریکہ کا پرچم لہرایا جبکہ خدام واطفال بڑے منظم طریقے سے اپنی اپنی مجالس کی قطار میں کھڑے تھے۔ اسکے بعد امیر صاحب نے مجالس کا معائنہ کیا اور قائدین سے مصافحہ کیا۔

علمی مقابلہ جات

علمی مقابلہ جات ہمیشہ سے خدام الاحمدیہ کے اجتماع کا جزوِ لازم رہے ہیں اور بہت سارے خدام سال بھر انکی تیاری کرتے ہیں۔ خاص طور سے دینی معلومات کا Quiz مقابلہ بہت دلچسپ ہوتا ہے اور ٹیموں کا ولولہ دیکھنے کے لائق ہوتا ہے۔

علمی مقابلہ جات کے نتائج کچھ اس طرح سے ہیں:

مقابلہ	اوّل	دوم	سوم
تلاوت	مکرم حماد ملک (سنٹرل جرسی)	مکرم اسد اللہ چوہدری (فلاڈلفیا)	مکرم معین احمد
نظم	مکرم مرزا حارث احمد (اوش کوش)	مکرم منور آرائیں (شکاگو)	مکرم مزمل گوندل (ساؤتھ ورجینیا)
انگریزی نظم	مکرم سلام بھٹی (یارک) اور رضوان الحق (ایل اے ایسٹ)	مکرم نوید ملک (فلاڈلفیا)	مکرم فرقان محمود (باسٹن)
حفظِ قرآن گروپ نمبر 2	مکرم نبیل احمد (اوش کوش)	مکرم سعد احمد (اوش کوش)	مکرم سعد میاں (اوش کوش)
حفظِ قرآن گروپ نمبر 3	مکرم عرفان الدین (لانگ آئی لینڈ)	مکرم عمیر احمد (اوش کوش)	مکرم سہیل حسین
تقریر انگریزی	مکرم عرفان الدین (لانگ آئی لینڈ)	مکرم ابوبکر بن سعید (ملواکی)	مکرم خرم خان (آر۔ٹی۔پی)
دینی معلومات Quiz	مڈویسٹ	گلف ریجن	نارتھ ایسٹ

ورزشی مقابلہ

ورزشی مقابلہ جات اجتماع کا جزوِ لازم ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اجتماع پر آنے والے خدام واطفال زیادہ دلچسپی کھیلوں میں رکھتے ہیں۔ بہت سی مجالس کئی ماہ کی مسلسل تیاری سے اجتماع میں شامل ہوتی ہیں اور اپنے علاقائی مقابلے جیت کر سالانہ اجتماع کیلئے منتخب ہوتی ہیں۔

ورزشی مقابلہ جات کے نتائج

مقابلہ	اول	دوم	سوم
ساکر	گلف ریجن	نارتھ ویسٹ	ویسٹ سدرن
باسکٹ بال	کوئینز ولانگ آئی لینڈ	ویسٹ کوسٹ	سلور سپرنگ
کرکٹ	ویسٹ کوسٹ نارتھ	البنی	
والی بال	ڈٹرائیٹ	کوئنز	ساؤتھ ویسٹ
ایک میل دوڑ	حسن جمال (ہیوسٹن)	مبشر اولایو (شکاگو ایسٹ)	عدنان احمد (بروکلن)
سو میٹر دوڑ	سیف اللہ خان (ڈیٹرائٹ)	اسد تنویر (فلاڈلفیا)	مسعود خان (ڈیٹرائٹ)
4x100 میٹر ریلے	ڈیٹرائٹ	فلاڈلفیا	ساؤتھ ویسٹ

سارے سال کا کھلاڑی (Athlete of the year): خرم باجوہ کوئنز نیویارک۔

شعبہ اطفال

اس سال ملک بھر سے 278 اطفال اجتماع میں شامل ہوئے۔ اطفال کے مہتمم ناصر رانا صاحب اور انکی ٹیم نے بڑی خوش اسلوبی سے علمی اور ورزشی مقابلہ جات منظم کئے۔ اطفال کے ورزشی مقابلے دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں۔ خاص طور سے معیار صغیر کے بچوں کی معصومانہ حرکتیں اور کوششیں۔ جیسے بعض بچے ساکر کھیلتے ہوئے بھول جاتے ہیں کے کس طرف کِک کرنا ہے اور اپنے ہی گول کی طرف کِک کردیتے ہیں۔ ایک سروے سے پتہ چلا ہے کہ بچوں کو اس سال اجتماع کی جگہ بہت پسند آئی ہے۔ کیونکہ اطفال کے کھیلنے اور سونے کا انتظام ائیر کنڈیشنڈ ڈوم (Dome) میں تھا۔ اور دوسری وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ اجتماع پر کینڈی اور چاکلیٹ اور آئس کریم بآسانی دستیاب تھی۔ اطفال کے علمی مقابلہ جات کے نتائج کچھ اس طرح رہے۔

مقابلہ	اول	دوم	سوم
تلاوت معیارِ صغیر	بابر احمد (فلاڈلفیا)	حارث نثار (شکاگو ویسٹ)	سہیل اعوان (کولمبس)
نظم معیارِ صغیر	انتصار جنجوعہ (فلاڈلفیا)	حارث نثار (شکاگو ویسٹ)	یاسر ایوبی (ہیوسٹن)، اسد علی (سنٹرل جرسی)
تقریر معیارِ صغیر	حارث نثار (شکاگو ویسٹ)	یوسف شاہ (سیراکیوز)	بابر احمد (فلاڈلفیا)
سپیلنگ بی Spelling Bee	حافظ آئینہ (بالٹی مور)	اسامہ چوہدری (میامی)	حارث منیر (ڈیٹرائٹ)
مضمون نویسی معیارِ صغیر	سلمان داؤد منیر (ھیوسٹن)	زوہیب خالد احمد (شکاگو ویسٹ)	مباہل احمد (ڈیلس)
اذان معیارِ صغیر	حسیب شیخ (ڈیلس)	زرارحیٰ (سینٹ پال)	ہاشم شاہ (سیراکیوز)، منیب الرحمان مرزا (پٹومک)
تلاوت معیارِ کبیر	اویس محمود (شکاگو ویسٹ)	باسل بھٹی (یارک)	میر ذوالقرنین (شکاگو ویسٹ)
نظم معیارِ کبیر	محمد طلحہ (شکاگو ویسٹ)	میر ذوالقرنین (شکاگو ویسٹ)	اویس محمد (شکاگو ویسٹ)
تقریر معیارِ کبیر	عوان ڈار (نارتھ ورجینیا)	زکریا ملک (شکاگو)	طیب شاہ (سیراکیوز)، حسیب احمد (کنیٹی کٹ)، اویس کاہلوں (بالٹی مور)
سپیلنگ بی Spelling Bee معیارِ کبیر	فرجاد میر (ولنگبرو)	تیمور رحمان (سیراکیوز)	برہان سندھو (بروکلن)
مضمون نویسی معیارِ کبیر	محمد طلحہ (شکاگو ویسٹ)	تیمور رحمان (سیراکیوز)	برہان سندھو (بروکلن)
دینی و عام معلومات Trivia	ساؤتھ ایسٹ	نارتھ ویسٹ	نارتھ ایسٹ

جبکہ اطفال کے ورزشی مقابلہ جات کے نتائج درج ذیل ہیں۔

مقابلہ	اول	دوم	سوم
100 میٹر ریس معیارِ صغیر	منعم قریشی	سلمان منیر	رحمان احمد
رسہ کشی معیارِ صغیر	عدنان احمد، عامر سعید، منعم قریشی، جنید خان، مطہر احمد، نجیہ، فرحان سنوری، ثاقب ناصر، یحییٰ طارق، سلمان منیر	ذیشان ملک، عدیل احمد، معین خان، اسماعیل احمد، احمد ملک، اسامہ چوہدری، فضل احمد، شجاع سیال، مصور چوہدری، منیب مرزا، فراز بھٹی	
باسکٹ بال معیارِ صغیر	مڈویسٹ 1	ساؤتھ ایسٹ 2	ایسٹ 1
ساکر معیارِ صغیر	ساؤتھ ایسٹ	نارتھ ویسٹ	مڈویسٹ 2
4x100 ریلے ریس	مڈویسٹ	ساؤتھ ایسٹ	شکاگو
100 میٹر ریس معیارِ کبیر	کامل احمد	نور چوہدری	اویس محمود
رسہ کشی معیارِ کبیر	ایاز خان، امان ڈار، بصیر جمیل، مجید خان، اویس کاہلوں، عبدل خان، انتصار طارق	سرمد چوہدری، بلال خان، اسد خان، بلال سعید، فرید سنوسی، وقاص چوہدری، برہان سندھو	
باسکٹ بال معیارِ کبیر	ساؤتھ ایسٹ 1	ساؤتھ ایسٹ 3	نارتھ ویسٹ 1
ساکر معیارِ کبیر	نارتھ ویسٹ	نارتھ ایسٹ	مڈویسٹ

گزشتہ سالوں کی خدام کی رائے کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سال بہت سی انتظامی تبدیلیاں کی گئی تھیں۔ ناظمِ اعلیٰ اجتماع عبدالہادی احمد اپنی ٹیم کے ساتھ اجتماع سے ایک روز قبل مقامِ اجتماع پہنچ گئے تھے۔ اجتماع انتظامیہ کا دفتر کمپیوٹر اور پرنٹنگ کی جدید سہولتوں سے مزین تھا۔ اجتماع کے تمام مراحل بہت اچھے طریقے سے ترتیب دیئے گئے تھے۔

لنگر خانہ

کھانا بنانے کی ٹیم پانچ افراد پر مشتمل تھی اور اسکی قیادت نعمان حمید کر رہے تھے۔ تین دن مسلسل پر لطف کھانے بر وقت مہمانوں کو پیش کئے جاتے رہے۔ کھانے کی

تیاری میں اطفال اور دیگر مہمانوں کی ضرورتوں کا خیال رکھا گیا تھا۔ ہفتہ کے روز رات کے کھانے پر وقفِ نو کے مرکزی سیکرٹری حافظ سمیع اللہ صاحب نے بچوں سے ملاقات کی اور انہیں نصائح سے نوازا۔ اجتماع کے دوسرے پروگراموں کے ساتھ ساتھ مجلسِ شوریٰ کے اجلاس بھی جاری رہے۔ امریکہ میں فاصلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے مجلسِ شوریٰ اکثر اجتماع پر ہی منعقد ہوتی ہے۔ اجتماع کے تین دن تربیتی پروگرام جاری رہے اور ہر نماز کے بعد ایک تربیتی مسئلہ خدام کے سامنے پیش کیا جاتا تھا اور حاضرین سے آراء لی جاتی تھیں۔ یہ پروگرام خدام میں بہت مقبول ہوا۔

ہفتہ کی شام مربیان سلسلہ کے ساتھ ایک محفلِ سوال و جواب منعقد ہوئی اور مربیان نے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں مسائل کا حل بتایا۔ شعبہ نومبائعین کی طرف سے نئے احمدی ہونے والے خدام کا تعارف پیش کیا گیا اور انہوں نے قبولِ احمدیت کے ایمان افروز واقعات حاضرین کو سنائے۔ اس سال کے اجتماع میں امریکہ کے امیر صاحب کے علاوہ تین نائب امراء اور پانچ مربیان سلسلہ نے شرکت فرمائی۔ 150 ایسے خدام تھے جو پہلی بار اجتماع میں شامل ہوئے۔ شعبہ خدمتِ خلق ہر سال اجتماع میں ریڈ کراس کے تعاون سے خون کا عطیہ جمع کرتی ہے۔ اس سال 45 خدام نے خون کا عطیہ پیش کیا۔ جس سے 135 افراد کی جان بچائی جا سکتی ہے۔ السٹر کاؤنٹی (Ulster County) کے عوامی نمائندہ فرینک فیلوسیو (Frank Fellocio) نے اجتماع سے خطاب کیا اور خدام کی تنظیمی کارکردگی کو سراہا۔ ملٹن نیویارک کے شہری خدام کے کردار سے بہت متاثر ہوئے۔ ہمارا امن اور محبت کا پیغام انہیں بہت پسند آیا۔ اور انہوں نے ہمیں بار بار اس شہر میں واپس آنے کی دعوت دی۔

صدر صاحب خدام الاحمدیہ نے اجتماع پر شہید مہیمن کریم کا ذکر فرمایا۔ برادرم مہیمن کریم اس سال شکاگو میں نامعلوم افراد کی فائرنگ سے اپنے کاروبار پر شہید کر دیئے گئے تھے۔ آپ خدام الاحمدیہ کے نائب صدر رہ چکے ہیں۔ صدر صاحب نے مرحوم کی بیوی امۃ الشکور صاحبہ کا خدام کے نام لکھا ہوا خط پڑھ کر سنایا۔ پیغام میں مرحوم کی زندگی کے ان واقعات کا ذکر تھا جو خدام اور جماعت کی خدمت میں پیش آئے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم مہیمن کریم کے درجات بلند فرمائے۔ آمین۔

خصوصی شمارہ جات رسالہ النور بابت صد سالہ خلافت جوبلی 2008

انشاءاللہ 2008 میں صد سالہ خلافت جوبلی کے اہتمام میں خصوصی شمارے شائع کئے جائیں گے جس کی تفصیل حسبِ ذیل ہے:

جنوری 2008	حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اوّل رضی اللہ عنہ
فروری 2008	حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ
مارچ 2008	سیّدنا حضرت مرزا غلام احمد مہدی معہود و مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام
اپریل 2008	حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ
مئی 2008	حضرت مرزا طاہر احمد خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ
	حضرت مرزا مسرور احمد خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

قارئین سے درخواست ہے کہ حسبِ پروگرام بروقت معیاری مضامین اور منظوم کلام خوشخط لکھ کر یا ٹائپ کر کے ادارہ النور کو درج ذیل پتہ پر بھجوا کر ممنون فرمائیں:

The Editor, An-Noor
15000 Good Hope Road
Silver Spring, MD 20905
karimzirvi@yahoo.com

جزاکم اللہ احسن الجزاء

محترمہ سعیدہ شمس صاحبہ اہلیہ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ وفات پا گئیں

بُلانے والا ہے سب سے پیارا
اسی پہ اَے دل تُو جاں فِدا کر

اَحبابِ جماعت کو یہ افسوسناک خبر مل چکی ہوگی کہ خاکسار کے والد محترم خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس رضی اللہ عنہ کی اہلیہ محترمہ (خاکسار کی والدہ) سعیدہ شمس صاحبہ قریباً 94 سال کی عمر میں امریکہ میں 5 ستمبر 2007 کو وفات پا گئیں، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

ہماری والدہ محترمہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی حضرت خواجہ عبید اللہ صاحب مرحوم ریٹائرڈ ایس۔ڈی۔او (S.D.O) کی صاحبزادی تھیں۔ بہت ہی صابر وشاکر اور صوم وصلوٰۃ کی پابند اور موصیہ تھیں۔ جماعت کی خاطر بہت قربانیاں کرنے والی خاتون تھیں۔ آپ گزشتہ کئی سالوں سے اپنے دو چھوٹے بیٹوں عزیزم بشیر الدین شمس اور عزیزم ریاض الدین شمس کے پاس Hattiesburg مسس سپی سٹیٹ امریکہ میں مقیم تھیں اور یہیں آپ کی وفات ہوئی۔

تدفین کے بارہ میں یہی فیصلہ کیا گیا کہ چونکہ آپکے سبھی بچے اور بچیاں بیرون پاکستان مقیم ہیں اسلئے مرحومہ کی تدفین شکاگو کے 'چیپل ہل گارڈن قبرستان میں جماعت کے قطعہ مقبرہ الامان میں موصیان کے قطعہ میں جہاں ہمارے بڑے بھائی صلاح الدین شمس صاحب بھی دفن ہیں' کی جائے۔ میّت کو Hattiesburg سے روانہ کرنے سے قبل مولانا ظفر اللہ ہنجرا صاحب نے نمازِ جنازہ پڑھائی جس میں مقامی احباب نے شرکت کی۔

7 ستمبر کو میّت کو بذریعہ ہوائی جہاز شکاگو لایا گیا جہاں 8 ستمبر کو تدفین عمل میں آئی۔ تدفین سے قبل میرے بھائی مبلّغ سلسلہ عزیزم منیر الدین شمس (ایڈیشنل وکیل التصنیف) لندن نے نمازِ جنازہ پڑھائی اور تدفین کے بعد اجتماعی دعا کروائی۔ تدفین میں کثیر تعداد میں احبابِ جماعت نے شرکت کی۔ اس موقعہ پر بعض غیر مسلم اور غیر از جماعت افراد بھی تشریف لائے ہوئے تھے۔ سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے ازراہِ شفقت ہماری والدہ محترمہ کی نماز جنازہ غائب مسجد فضل لندن میں 9 ستمبر بروز اتوار محترمہ اہلیہ صاحبہ حضرت مولانا ابوالعطاء صاحب کی نمازِ جنازہ کے ساتھ پڑھائی۔ تدفین سے قبل اور بعد میں بھی شکاگو اور دیگر جگہوں سے بہت سے احباب تعزیت کیلئے تشریف لاتے رہے اور بذریعہ فون بھی اظہارِ تعزیت کرتے رہے۔ ہم سب ان کے ممنون ہیں اور ان کے لئے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔

اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہم 5 بھائی اور 2 بہنیں ہیں۔ ہمارے سب سے بڑے بھائی ڈاکٹر صلاح الدین شمس صاحب 1991 میں وفات پا گئے تھے۔ ہماری بڑی ہمشیرہ جمیلہ شمس ملک کینیڈا میں اپنے بیٹے محمود احمد ملک صاحب کے پاس مقیم ہیں جبکہ خاکسار شکاگو کے قریب South Barrington میں، منیر الدین شمس صاحب انگلستان میں، بشیر الدین شمس صاحب و ریاض الدین شمس صاحب Hattiesburg امریکہ میں اور ہماری چھوٹی ہمشیرہ عزیزہ عقیلہ نوید شمس ورجینیا' امریکہ میں مقیم ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ہماری والدہ محترمہ کو ایک لمبی عمر عطا کی گئی اور آپ کے پوتے، پوتیوں، نواسے، نواسیوں کی تعداد 37 ہے جبکہ پڑپوتوں اور پڑنواسے، نواسیوں کی تعداد 31 ہے۔

آخر میں احباب سے درخواست ہے کہ وہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ ہماری والدہ محترمہ کی مغفرت فرمائے، جنت الفردوس میں اعلیٰ علیّین میں جگہ عطا فرمائے اور ہم سب بہن بھائیوں کو اور لواحقین کو صبرِ عظیم کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں ان کی نیکیوں اور خوبیوں کا حقیقی وارث بننے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

خاکسار۔ فلاح الدین شمس از شکاگو

مکرمہ ناصرہ بیگم صاحبہ
اہلیہ مکرم چودھری سید محمد صاحب وفات پا گئیں

مکرمہ ناصرہ بیگم صاحبہ اہلیہ مکرم چودھری سید محمد صاحب مرحوم (سابق باڈی گارڈ حضرت مصلح موعودؓ) چک نمبر 332 ج۔ب دھنی دیؤ والدہ صاحبہ مکرم داؤد احمد صاحب حنیف مشنری انچارج و نائب امیر امریکہ، مورخہ 29 اگست 2007 کو بعمر 84 سال امریکہ میں وفات پا گئیں۔ آپ کچھ عرصہ سے بیمار تھیں اور ہسپتال میں داخل تھیں کہ اللہ کا بلاوا آ گیا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ ان کا جنازہ مولانا سلطان محمود انور صاحب نے امریکہ کے جلسہ سالانہ کے موقع پر جمعہ کی نماز کے بعد پڑھایا۔ آپ خدا کے فضل سے موصیہ تھیں۔ ان کی میّت پاکستان لے جائی گئی اور 3 ستمبر 2007 کو بعد نماز عصر بیت المبارک ربوہ میں نماز جنازہ ادا کی گئی۔ نمازِ جنازہ صاحبزادہ مرزا خورشید احمد صاحب ناظر اعلیٰ و امیر مقامی نے پڑھائی اور تدفین مکمل ہونے پر انہوں نے دعا بھی کروائی۔ قطعہ نمبر 10 میں مرحومہ کی تدفین عمل میں آئی۔

آپ دعا گو، متقی، ملنسار اور ہمدرد وجود تھیں۔ آپ بڑی نڈر داعی الی اللہ تھیں۔ اُن کے سوگواران میں مکرم داؤد احمد صاحب حنیف کے علاوہ مکرم ڈاکٹر منور احمد صاحب یو۔کے، مکرم چودھری مشتاق احمد صاحب ورجینیا اور مکرم چودھری مبشر احمد صاحب کینیڈا ہیں۔ مرحومہ کے درجات کی بلندی کیلئے دُعا کی خصوصی درخواست ہے۔

پیاری امی جان کی یاد میں

عطاء المجیب راشدؔ

پاس اپنے بلا لیا اُن کو
قُرب اپنا عطا کیا اُن کو

تھیں نشانی وہ ایک خالد کی
خُلد آشیاں بنا دیا اُن کو

جس نے پالا مجھے دُعاؤں سے
سب دعائیں مری لگا اُن کو

وہ محبت کا اک سمندر تھیں
مہبطِ پیار تو بنا اُن کو

دارِ فانی میں گو نہیں وہ آج
دل میں اپنے بسا لیا اُن کو

یاد آتی ہے ہر گھڑی اُن کی
دیکھتا ہوں میں ہر جگہ اُن کو

یاد میں اُن کی اشکبار ہوں میں
رحمتیں بےحساب ہوں عطا اُن کو

☆☆☆☆☆☆

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز

نے خطبہ جمعہ ثانیہ 14 ستمبر 2007 میں چند مرحومین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

☆ ایک سعیدہ بیگم صاحبہ جو حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمس مرحوم کی اہلیہ تھیں۔ 94 سال کی عمر میں 5 ستمبر 2007 کو انکی وفات امریکہ میں ہوئی۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے صحابی خواجہ عبید اللہ صاحب کی بیٹی تھیں اور حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ عنہ نے ہی ان کا رشتہ حضرت شمس صاحب سے کروایا تھا۔ 1932 میں ان کا نکاح ہوا تھا۔ ان کی قربانیوں کی مثال دیتے ہوئے حضرت مصلح موعودؓ نے 1956 میں لجنہ کے اجتماع میں فرمایا تھا:

ہمارے ایک مبلغ مولوی جلال الدین شمس ہیں وہ شادی کے تھوڑے عرصہ کے بعد یورپ تبلیغ کے لئے چلے گئے تھے۔ انکے واقعات سن کر بھی انسان کو رقت آتی ہے۔ ایک دن اُن کا بیٹا گھر آیا اور اپنی والدہ سے کہنے لگا ہمیں بتائیں اماں' ابا کسے کہتے ہیں۔ سکول میں بچے ابا ابا کہتے ہیں، کیونکہ وہ تین تین چار چار سال کے تھے' شمس صاحب یورپ تبلیغ کیلئے چلے گئے۔ تو انہوں نے بڑی قربانی سے بچوں کو پالا بغیر شکوہ لائے علیحدہ رہیں پیچھے۔ اس وقت حالات ایسے تھے مبلغین کی بیویاں ساتھ نہیں ہوتی تھیں۔ بڑی قربانیاں دی ہیں اس زمانہ میں مبلغین نے بھی اور ان کی بیویوں نے بھی۔ موصیہ تھیں مرحومہ۔ بڑی نیک خاتون تھیں۔ یہ منیر الدین صاحب شمس کی والدہ تھیں جو ہمارے وکیل التصنیف ہیں اور اُن کے اِن کے علاوہ چار بیٹے ہیں۔

☆ دوسری خاتون سعیدہ بیگم صاحبہ اہلیہ محترم مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری تھیں۔ ان کی بھی عمر تقریباً 95 سال تھی۔ 6 ستمبر 2007 کو وفات ہوئی ان کی۔ جنازہ ان کا ہو گیا ہے۔ یہ بھی حضرت مسیح موعودؑ کے صحابی حضرت مولوی محمد عبداللہ صاحب بوتالوی کی بیٹی تھیں۔ ان کا رشتہ بھی حضرت مصلح موعودؓ نے حضرت اماں جانؓ کے کہنے پر مولانا ابوالعطاء صاحب سے خود تجویز کیا تھا اور خود ہی نکاح پڑھایا تھا۔ آپ بھی بڑی نیک، عبادت گزار تھیں۔ مولانا عطاء المجیب راشد جو ہمارے امام ہیں ان کی والدہ تھیں۔ خلافت سے بھی بڑا گہرا تعلق تھا ہر دو بزرگوں کا۔ یہ تو یہاں رہتی تھیں چونکہ لنڈن میں مجھے ملتی رہتی تھیں۔ 1/8 کی موصیہ تھیں۔

☆ تیسری خاتون جو ہیں یہ ناصرہ بیگم صاحبہ جو چودھری سید محمد صاحب کی اہلیہ تھیں۔ 84 سال کی عمر میں ان کی وفات ہوئی ہے۔ یہ بھی ایک صحابی کی بیٹی تھیں جو موضع ونجواں ضلع گورداسپور میں رہتے تھے۔ ان کا نام چودھری فقیر محمد صاحب تھا۔ یہ 1947 میں تقسیمِ ہند کے وقت شہید ہو گئے تھے ان کے والد۔ اور لوائے احمدیت کے لئے جب کپڑا تیار کیا جا رہا تھا تو انہوں نے ان کے والد نے یہ کپڑا تیار کروایا تھا۔ خود تیار کیا تھا اپنے ہاتھ سے۔ اور بڑے نڈر تھے داعی الی اللہ۔ یہ خود بھی بڑی نڈر داعی الی اللہ تھیں اور تبلیغ کرتی رہتی تھیں۔ عورتوں کو اپنے ساتھ لے جا کر، 4 بیٹے ہیں ان کے۔ ان میں سے ایک تو ہمارے مبلغ انچارج امریکہ داؤد حنیف صاحب اور دوسرے ان کے بیٹے یہاں ہیں منور صاحب جو جماعت میں سیکرٹری امور عامہ ہیں۔

یہ تمام خواتین بڑی نیک، خلافت سے وفا کا تعلق رکھنے والی دعا گو بزرگ تھیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کی اولادوں کو بھی ان کی نیکیوں کو جاری رکھنے اور قائم رکھنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔